# اصطلاحاتِ اصولِ فقہ

اصطلاحاتِ اصولِ فقہ، ابتدائی درجات میں اصول الشاشی یا آسان اصول فقہ پڑھنے والے طلبۂ مدارس اسلامیہ کے لیے بے حد مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔


افتخار احمد قاسمی بستوی

استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا



جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : اصطلاحات اصول فقہ
تالیف : افتخار احمد قاسمی بستوی
صفحات : ۵۶
طباعت : ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ اپریل ۲۰۰۹ء
کتابت : محمد مہر علی قاسمی (دعاباد، جھارکھنڈ) جامعہ اکل کوا
تعداد : ۱۱؍سو

# فہرست مضامین


| | | | |
|---|---|---|---|
| کلمات تشکر ودعا | ۳ | تیسری بحث: "الفاظ کی وضاحت اور پوشیدگی...." | ۲۸ |
| اپنی بات | ۳ | "خفی" | ۳۱ |
| تعریف لفظ | ۴ | چوتھی بحث: الفاظ کی معنی پر دلالت کی حیثیت.... | ۳۴ |
| اصول فقہ | ۶ | عبارت النص | ۳۵ |
| باب اول: کتاب وسنت | ۹ | اشارت النص | ۳۵ |
| باب دوم: نصوص سے احکام شرعیہ اخذ...... | ۱۰ | دلالت النص | ۳۶ |
| پہلی بحث: الفاظ وضعیہ کے بیان میں | ۱۱ | اقتضاء النص | ۳۷ |
| "مشترک کا بیان" | ۱۳ | باب سوم: سنت کی بحث | ۳۸ |
| "مؤول" | ۱۳ | باب چہارم: "اجماع" | ۴۱ |
| "مطلق" | ۱۵ | باب پنجم: قیاس واستحسان | ۴۲ |
| "مقید" | ۱۵ | قیاس کے ارکان: | ۴۳ |
| "امر" | ۱۶ | علت کی شرطیں | ۴۴ |
| مقید بالوقت کی قسمیں | ۱۹ | "استحسان" | ۴۴ |
| "معیار" | ۲۰ | اثر، اجماع، ضرورت اور قیاس خفی کی مثالیں | ۴۵ |
| "نہی" | ۲۱ | باب ششم: مشروع احکام اور ان کے...... | ۴۶ |
| منہی عنہ اور اس کی اقسام | ۲۱ | عزیمت اور رخصت | ۵۰ |
| دوسری بحث: "الفاظ کے استعمال کے......" | ۲۳ | حکم وضعی | ۵۲ |
| "صریح" | ۲۶ | باب ہفتم: محکوم علیہ کا بیان | ۵۳ |
| "کنایہ" | ۲۷ | اہلیت پر عارض امور | ۵۶ |

# کلمات تشکر ودعا

”اصطلاحات اصول فقہ“ نامی کتاب عزیز محترم مولانا افتخار احمد قاسمی بستوی، استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر نے، مبتدی طلبہ کی فقہی ذوق سازی اور صلاحیت بڑھانے کے لیے مرتب کی ہے۔ اسلوب تحریر اور علمی مواد کی وجہ سے اس کتاب کو اصول فقہ کی عربی نصابی کتابوں سے پہلے طلبہ کو اردو میں پڑھا دینا مفید تر ہے۔

اللہ تعالی اس کتاب کو قبولیت عام وتام نصیب کرے، مؤلف، اس کے والدین، اساتذہ واحباب نیز اس جامعہ کو اپنے دین حنیف کی نصرت وحمایت کے لیے منتخب فرمالے۔ آمین!

(مولانا) غلام محمد وستانوی

رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا۔۔۔ ۱۶/اپریل ۲۰۰۹ء

# اپنی بات

اللہ تعالی کی کتاب قرآن کریم سے وابستگی ایک مومن کی جان وروح ہے، قرآن کی بقا سے وابستگانِ قرآن کو بقا ہے، ہمارے اسلاف رحمہم اللہ نے اسی خلوصِ نیت سے قرآن کریم کی خدمت ووابستگی اختیار کی ہے۔

قرآن کے الفاظ ومعانی کی تشریح وتفسیر، تسہیل وتاویل، فقہ واستنباط اور فقہ واستنباط کے اصول وضوابط سے احکام ومسائل کی تخریج قرآن سے ایسی وابستگی ہے جو دنیائے آب وگل سے آنکھیں موند لینے کے بعد بھی اجر وثواب کا مستحق بنائے رکھتی ہے؛ اسی کے پیشِ نظر ”اصطلاحات اصول فقہ“ نامی ایک مختصر رسالہ ترتیب دینے کی اپنی سی کوشش کی گئی ہے جس کی ترتیب میں ”کشف الاسرار، حسامی، نور الانوار، اصول الشاشی، تسہیل الاصول، اصول فقہ اور آسان اصول فقہ نامی مختلف کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ زبان حتی الامکان آسان استعمال کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس رسالہ کو قبولیت عام وتام عطا فرمائے، اور راقم سطور، والدین، اساتذہ، احباب طلبائے اصول فقہ اور جامعہ اکل کوا کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین!

افتخار احمد قاسمی بستوی

استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

۲۱ ربیع الآخر ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۸ اپریل ۲۰۰۹ء بروز شنبہ قبل نماز عصر، مقام اکل کوا

# پیش لفظ

بہ قلم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی
ناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدر آباد
و جنرل سیکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا

اسلامی علوم میں "فقہ" کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، کیوں کہ یہ قرآن اور حدیث کا نچوڑ اور اپنے عہد کے ان ذہین و نابغۂ روزگار علما کی کاوش کا خلاصہ ہے، جنھوں نے نہایت دقتِ نظر کے ساتھ احکام شریعت کا استنباط کیا ہے اور اپنی اجتہادی کوششوں کے ذریعہ اسلامی شریعت کو ایک مکمل "نظامِ حیات" کی شکل دی ہے، اجتہاد کی یہ کاوشیں یوں ہی انجام نہیں پائی ہیں بل کہ فقہا نے ان کے لیے باضابطہ قواعد و ضوابط مرتب کیے ہیں، یہی قواعد "اصولِ فقہ" کہلاتے ہیں، مستشرقین کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ اصولِ قانون کو سب سے پہلے علمائے اسلام نے مرتب کیا ہے۔

"اصولِ فقہ" ایک وسیع الاطراف علم ہے جو بنیادی طور پر چار موضوعات کا احاطہ کرتا ہے:
اول: یہ کہ شریعتِ اسلامی میں حاکم کا درجہ کسے حاصل ہے؟ دوسرے: حکم اور اس کی قسمیں یعنی حکم تکلیفی اور حکمِ وضعی اور اس کے تقاضے۔ تیسرے: ادلۂ احکام، جن میں کتاب و سنت اور قیاس و اجماع کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ چوتھے: دلالتِ کلام یعنی قرآن و حدیث کے الفاظ کسی خاص معنی پر کس طرح دلالت کرتے ہیں؟ یہ چوتھا موضوع اصل میں عربی زبان کے قواعد سے متعلق ہے؛ لیکن چوں کہ قرآن و حدیث عربی زبان میں ہے اس لئے احکام شرعیہ کے استنباط میں بھی ان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

پھر اصولِ فقہ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اپنی ترتیب و اسلوب کے اعتبار سے دو قسم کی ہیں، جن میں سے ایک طریقۂ حنفیہ اور دوسرا طریقۂ شافعیہ کہلاتا ہے۔ پہلے اسلوب کی نمائندہ اور

اوّلین کتابوں میں علامہ سرخسی ؒ کی "اصول الفقہ" ہے؛ عام طور پر بعد کے مصنفین نے انہیں کے نہج کو اختیار کیا ہے، جن میں پہلے کتاب اللہ کے تحت دلالتِ کلام کی بحث ہوتی ہے، پھر ادلہ شرعیہ کا ذکر آتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے موضوعات آتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان کے دینی مدارس میں عام طور پر اس فن میں "اصول الشاشی، نور الانوار اور حسامی" پڑھائی جاتی ہیں، اور ان تینوں کا نہج بھی ہے، موجودہ دور میں اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ کسی بھی فن میں طلبہ کو پہلے اپنی مادری زبان میں کسی کتاب کو پڑھ لینا چاہیے، خواہ یہ پڑھنا بہ طور درس کے ہو یا خارجی مطالعے کے، چناں چہ اس پہلو سے اردو میں بھی کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، اسی سلسلہ کی ایک کڑی محب عزیز جناب مولانا محمد افتخار صاحب قاسمی بستوی (فاضل دیوبند) استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا (مہاراشٹر) کی زیرِ نظر تالیف ہے، جس میں انہوں نے نصوص سے احکام شرعیہ کو اخذ کرنے کے طریقے اور اس کی ذیلی بحثوں، ادلہ شرعیہ میں سے سنت، اجماع اور قیاس اور استحسان وغیرہ پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور طلبہ کو فائدہ پہنچانے کے لئے یہ اہم رسالہ مرتب کیا ہے۔ راقم الحروف کو پورے مسودہ کو دیکھنے کی سعادت حاصل نہیں ہوسکی، لیکن وہ مصنف اور ان کے گراں قدر کام سے بخوبی واقف ہے اور انشاءاللہ یہی اس کتاب کے معیار کے لئے شہادت ہے۔

مولف عزیز کے قلم سے اس سے پہلے بھی مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، مثلاً: (۱) خطبِ صلاۃ اول و دوم، (۲) چہل حدیث مع مسائل نماز، (۳) ٹیلی فون پر گفتگو کے اسلامی آداب، (۴) چہل حدیث مسائل روزہ، (۵) چہل حدیث مع مسائل جنازہ، (۶) اصطلاحات حدیث، (۷) چھ سالہ انگلش نصاب وغیرہ علمی مواد اور اسلوبِ تحریر کی وجہ سے ان کتابوں کو خاصی پذیرائی حاصل ہوئی ہے، امید ہے کہ انشاءاللہ اس مختصر مفید قلمی کاوش کو بھی قبولیت عام و تام حاصل ہوگی۔ و باللہ التوفیق و ھو المستعان۔

(مولانا) خالد سیف اللہ رحمانی

(ناظم) المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد (فقہ اکیڈمی انڈیا)

۹/ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ/ ۶/اپریل ۲۰۰۹ء

# اصولِ فقہ

"اُصول" لغت میں "اَصْلٌ" کی جمع ہے، معنی ہیں: ایسی چیز جس پر کسی دوسری چیز کا ٹھہراؤ (قیام) ہو، جڑ، بنیاد، وغیرہ۔

اصول کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ دلائل (۱) شرعیہ یعنی کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اجماع اور قیاس کو اصول کہتے ہیں۔

**فقہ** (۲): لغوی معنی: سمجھنا، جاننا۔

**اصطلاحی تعریف**: شریعت کے عملی احکام یعنی فرض، واجب، مباح، سنت مستحب، حرام اور مکروہ کو، ان کی تفصیلی دلیلوں سے جاننا۔

---

(۱) دلائل دلیل کی جمع ہے، یہاں احکام شرعی کی دلیلیں مراد ہیں، علم کبھی دلیل سے حاصل ہوتا ہے کبھی بغیر دلیل کے، احکام شرعیہ کا علم اگر دلائل کے بغیر ہو جیسے: بہت سے لوگوں کو ہزاروں شرعی احکام کا علم فقہاء سے سن کر یا ان کی کتابیں پڑھ کر حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ فقیہ نہیں، فقیہ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم احکام شرعیہ کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو، عوام کو اگرچہ بہت سے مسائل کا علم ہے مگر انہیں "فقیہ" اسی لیے نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے یہ علم "احکام شرعیہ کے دلائل" سے حاصل نہیں کیا۔ (فقہ اور تصوف: ص ۱۸)

(۲) لغت میں فقہ کے معانی، "فہم" اور "ذہانت" کو کہتے ہیں، اور فقیہ ذہین اور سمجھدار شخص کو کہا جاتا ہے۔ (الصحاح للجوہری: ص ۶/۲۲۴۳) اور "تفقہ" فقیہ ہونے، علم حاصل کرنے اور اس میں غور و خوض کرنے کا نام ہے۔ (رد المحتار: ۱/۱۲۸، الصحاح)

اسلام کے قرون اولیٰ (قرون اولیٰ سے مراد "عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم" اور اس کے بعد تابعین تک کا زمانہ ہے) کی اصطلاح میں فقہ سے مراد "پورے دین کی گہری سمجھ" ہے یعنی دین کی تمام تعلیمات خواہ ان کا تعلق کسی بھی شعبۂ زندگی سے ہو ان کی گہری بصیرت و مہارت کو "فقہ" کہا جاتا تھا، اور فقیہ اس شخص کو کہتے تھے جو پورے دین کی گہری بصیرت و مہارت رکھتا ہو اور اپنی پوری زندگی کو دین کے سانچے میں ڈھال چکا ہو۔ (فقہ اور تصوف: از مفتی محمد رفیع عثمانی ص ۱۱)

اب فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف یہ ہوگی کہ: "فقہ عملی اعمال کے متعلق تمام احکام شرعیہ کا علم ہے جو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جائے" جدید اصطلاح کے اعتبار سے یہ فقہ کی نہایت جامع مانع اور مکمل تعریف ہے۔ عربی میں تعریف کے الفاظ یہ ہیں: ھو العلم بالأحکام الشرعیۃ العملیۃ المکتسب من أدلتھا التفصیلیۃ۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو التوضیح مع التلویح: ۱/ص ۱۳۹ تا ۱۴۰، البحر الرائق: ص ۶۳ و منحۃ الخالق حاشیہ البحر الرائق، تسہیل الاصول: ص ۱۰۲ تا ۱۰۴، و رد المحتار مع الدر المختار: ۱/ص ۳۴ تا ۳۶)

یہ اصولِ فقہ کے اجزا "اصول" اور "فقہ" کی تعریفات ہوئیں، اس کو "حدِ اضافی" کہتے ہیں۔

**اصول فقہ**: یہ ایسا فن ہے جس کے قواعد کی مدد سے شریعت کے احکام ان کے دلائل کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں۔ اس تعریف کو "حدِ لقبی" کہتے ہیں۔

**موضوع**: شرعی دلائل جو احکام بتلائیں۔

**شرعی دلائل**: شرعی دلائل چار ہیں (۱):

۱۔ کتاب اللہ ۲۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۔ اجماع ۴۔ قیاس

---

(۱) احکام شرعیہ کے دلائل صرف چار ہیں: (۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس۔ ہر عمل کا حکم شرعی انہی چاروں میں کسی نہ کسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے یعنی انسان کے کسی بھی عمل کے متعلق یہ بات کہ وہ فرض ہے یا واجب ہے یا مستحب یا مباح ہے یا حرام یا مکروہ، ثابت کرنے کا ذریعہ یا تو قرآن حکیم ہے، یا سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع یا قیاس، ان کے علاوہ حکم شرعی ثابت یا معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ان چاروں دلائل کا مختصر تعارف یہ ہے:

قرآن کریم: قرآن حکیم کے نام یوں تو بعض علمائے کرام نے نوے سے اوپر بتائے ہیں مگر مشہور نام جو خود قرآن پاک نے بتائے پانچ ہیں: ۱: القرآن، ۲: الفرقان ۳: الکتاب ۴: الذکر ۵: التنزیل۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور نام "القرآن" ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کو کم از کم ۷۰ مقامات پر اسی نام سے یاد کیا ہے مگر اصول فقہ کی کتابوں میں جس نام کا زیادہ استعمال ہوا وہ "الکتاب" ہے جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ قرآن نے سورۃ فاتحہ کے بعد سب سے پہلی سورت کے بالکل شروع میں اپنا یہی نام بتلایا ہے ذلک الکتاب لا ریب فیہ۔ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ (افادات شفیع، ص ۳۸، ۳۹، مفتی رفیع عثمانی مدظلہ)

قرآن کریم کی اصطلاحی تعریف: "التلویح مع التوضیح" میں یوں کی گئی ہے: قرآن اللہ کا وہ کلام ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظاً نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر کسی شبہ کے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ (التوضیح مع التلویح: ص ۲۶/۱ مصر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل کی گئی وہ دو قسم کی تھی، ایک تو یہی قرآن حکیم جس کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ جل شانہ کی طرف سے ہیں۔ یعنی جس طرح اس کے مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اسی طرح اس کے الفاظ بھی ہو بہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔

اس وحی کو "وحی متلو" کہتے ہیں۔ وحی کی یہ قسم پوری کی پوری الفاظ کے ساتھ اور قرآنی مصاحف میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دی گئی ہے۔ دوسری قسم وحی کی وہ ہے جو قرآن پاک کا جز بنا کر نازل نہیں کی گئی، اس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی تعلیمات اور شریعت کے احکام اس طرح بتلائے گئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر صرف معانی و مضامین کا القاء ہوتا تھا، الفاظ ان کے ساتھ نہیں ہوتے تھے۔ ان معانی و مضامین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے کبھی تو اپنے الفاظ کے ذریعہ کبھی اپنے افعال کے ذریعہ اور کبھی دونوں سے بیان فرمایا۔ وحی کی اس قسم کا نام "وحی غیر متلو" ہے۔ اسی وحی کو سنت یا حدیث کہا جاتا ہے۔

سنت: لغۃً "سنت" کلام عرب میں طریقہ اور عادت کے لیے اور فقہ میں ایسی عبادت کے لیے مستعمل ہوتا ہے جو فرض یا واجب نہ ہو اور علم حدیث اور اصول فقہ کی اصطلاح میں "حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو سنت کہا جاتا ہے"۔ یہاں یہی اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ سنت اور حدیث میں فرق یہ ہے کہ حدیث تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا نام ہے اور سنت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال دونوں کا نام۔

**مقصد:** اصول فقہ کے قواعد کی مدد سے ایسے تفصیلی دلائل تک رسائی، جن سے احکام بنتے ہیں۔

**شرعی دلائل کی دو قسمیں ہیں:** ا۔نصوص ۲۔غیر نصوص

**مثالیں:** کتاب وسنت، نصوص کی مثالیں ہیں۔

نصوص سے نکلا ہوا قیاس، غیر نصوص کی مثال ہے۔

**استنباط کے طریقے:** استنباط یعنی مسائل نکالنے کے دو طریقے ہیں:

ا۔لفظی ۲۔معنوی

الفاظ کے خاص وعام، مشترک ومؤول، حقیقت ومجاز، اور دلالت واشارت وغیرہ سے احکام نکالنا طریقہ لفظی ہے۔

نص موجود نہ ہو تو منصوص علیہ حکم کو ایک علت کی بنا پر غیر منصوص میں جاری کرنا طریقہ معنوی یا قیاس ہے۔

## اس اجمال کی تفصیل سات باب میں آرہی ہے:

باب اول: کتاب وسنت کی تعریف۔

باب دوم: طریقہ لفظیہ (جس میں نصوص موجود ہونے کی مدد سے احکام بنتے ہیں)۔

باب سوم: سنت کی بحث۔

باب چہارم: اجماع۔

باب پنجم: قیاس واستحسان (طریقہ معنویہ جس میں نص کے نہ ہونے کے وقت احکام نکالے جاتے ہیں)۔

باب ششم: احکام۔

باب ہفتم: محکوم علیہ۔

باب اول:

# کتاب وسنت

**کتاب**: کتاب سے مراد، قرآن کریم ہے۔

**تعریف**: کتاب اللہ، وہ الفاظِ عربیہ جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نازل کیے گیے اور بغیر کسی ہلکے شبے کے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر (تسلسل) کے ساتھ نقل کرکے ہم تک پہونچے۔

**خصوصیت**: قرآن یعنی کتاب اللہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے الفاظ اور معانی، اللہ کی طرف سے آئے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پڑھ کر، اس کی تبلیغ فرمائی ہے۔

اگر صرف معانی اللہ تعالیٰ رسول کے دل میں ڈالے، الفاظ ان کے ساتھ نہیں اُتارے، الفاظ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن معانی کو پہنائے تو انہیں قرآن نہیں، بل کہ سنت کہتے ہیں۔

**سنت**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات قولی یا فعلی یا تقریری طور پر ثابت ہو، اس کو "سنت" کہتے ہیں۔ سنت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) سنتِ قولی (۲) سنتِ فعلی (۳) سنتِ تقریری

**تعریفات**:

(۱) وہ باتیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوں، وہ "سنتِ قولی" کہلاتی ہیں۔

(۲) محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال "سنتِ فعلی" ہیں۔

(۳) جو کام ذاتِ اقدس کی موجودگی میں کیا گیا اور آپ نے اس پر خاموشی اختیار کی، یا موافقت فرمائی، یا تعریف کی، اُسے "سنتِ تقریری" کہتے ہیں۔

باب دوم:

# نصوص سے احکام شرعیہ اخذ کرنے کے لفظی طریقے

کسی بھی زبان کے معانی واحکام سمجھنا ہے تو اس زبان کے قواعد کا لحاظ از بس ضروری ہے۔اسی طرح ہر زبان کے اپنے اسالیب ہوتے ہیں، ان کے تقاضے جداگانہ ہوتے ہیں، ان سب چیزوں کی رعایت، علماءِ زبان کی ہدایات کی روشنی میں بے حد ضروری ہے۔

لہٰذا قرآنِ کریم اور سنتِ نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بھی یہی باتیں ملحوظ رہنا چاہئے کہ یہ عربی زبان میں ہیں، ان کے قواعد، اسالیب اور ترکیبیں اپنی علیحدہ حیثیت رکھتی ہیں، اہلِ زبان کے بتائے ہوئے طریقوں سے سر مو انحراف بھی، قرآن وسنت کی تفہیم میں خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

اسی تفہیم کی خاطر علماءِ اصولِ فقہ نے چند ضوابط واصول تشکیل دیئے ہیں، جن کی مدد سے "نصوصِ شرعیہ" کی تفہیم آسان ہے اور قرآن وسنت کے مفاہیم میں درستگی تک رسائی یقینی ہے۔

یہ اصول وقواعد "نصوصِ شرعیہ" (۱) کے الفاظ سے بحث کرتے ہیں، البتہ حیثیت کا فرق ہو جاتا ہے، کبھی لغوی وضع وتعین کی حیثیت سے بحث کرتے ہیں، تو کبھی استعمال کے لحاظ سے اسی طرح کبھی لفظ کے واضح یا غیر واضح ہونے کے لحاظ سے بحث کرتے ہیں، اس طرح کی ساری بحثیں "مفردات" سے تعلق رکھتی ہیں۔اور کبھی الفاظ کے معانی بتلانے کی حیثیت سے گفتگو ہوتی ہے، جس کا تعلق "مرکبات" سے ہے؛ تو یہ کل چار طرح کے مباحث ہیں۔

---

(۱) قرآن وسنت کی عبارات مراد ہیں۔

پہلی بحث:

# الفاظِ وضعیہ کے بیان میں

اس بحث میں الفاظ سے ان کی "وضع" کے لحاظ سے گفتگو کی جاتی ہے، اس کی "چار قسمیں" ہیں: ۱۔ خاص ۲۔ عام ۳۔ مشترک ۴۔ موؤل

**دلیل حصر:** اگر لفظ ایک معنی کے لیے ایک ہی مرتبہ بنایا (وضع) گیا ہو تو اس کو "خاص" کہتے ہیں، اور اگر زیادہ معنی کے لیے ایک ہی مرتبہ بنایا گیا ہو، تو اس کو "عام" کہتے ہیں، اور اگر زیادہ معنی کے لیے کئی مرتبہ وضع کیا گیا ہو تو "مشترک" کہلاتا ہے، اور اگر کئی معانی میں سے ایک کو تاویل سے راجح کرلیں، تو "موؤل" ہے۔

**خاص:** ہر ایسا لفظ ہے جو افراد کی طرف نظر کیے بغیر صرف ایک معنی کے لیے بنایا گیا ہو، اس کو اہلِ اصولِ فقہ کے نزدیک "خاص" کہتے ہیں۔

**خاص کی قسمیں:** خاص کی تین اقسام ہیں:

۱۔ خاص فردی ۲۔ خاص نوعی ۳۔ خاص جنسی

**خاص فردی:** اگر معنی کوئی شخص اور فرد ہو تو اس کو "خاص فردی" کہتے ہیں۔

**خاص نوعی:** اگر وہ معنی نوع ہو تو "خاص نوعی" ہے۔

**خاص جنسی**(۱)**:** اگر وہ معنی جنس ہو تو "خاص جنسی" ہے۔

**مثالیں:** (۱) احمد، عبدالباسط، صادق، مجید، "خاص فردی کی مثالیں" ہیں۔

(۲) رجل (آدمی)، امراۃ (عورت)، قلم، دوات خاص نوعی کی مثالیں۔

(۳) انسان، حیوان، خاص جنسی کی مثالیں۔

**خاص کا حکم:** خاص کا حکم یہ ہے اس کا مفہوم "قطعی و یقینی" ہوتا ہے اس سے

---

(۱) جنس: جو لفظ اپنے افراد کو شامل ہو اس کو "جنس" کہتے ہیں، اور جو لفظ کم زیادہ افراد کو شامل ہو اس کو "اسم جنس" کہتے ہیں۔

"فرض" کا حکم نکلتا ہے، اور اس مفہوم پر جو اضافہ ہو وہ فرض سے کم درجہ کا ہوتا ہے۔

**مثال**: قرآن کریم کی یہ آیت ہے: فاغسلوا۔

اس آیت میں "غسل" اور "مسح" کا حکم دیا گیا ہے۔ "غسل" اور "مسح" دونوں خاص ہیں، غسل کے معنی پانی بہانا (اور دھونا)؛ مسح کے معنی ہاتھ پہونچانا (گزارنا)۔ تو اب ان دونوں الفاظ کے معانی پر عمل "فرض" ہے اور اس پر "ولاء" پے درپے دھونا، "تسمیہ" بسم اللہ پڑھنا، "ترتیب" یکے بعد دیگرے دھونا، "نیت" ان سب کی شرط زیادتی نہیں کی جائے گی۔

یہ مذکورہ چیزیں "خبر واحد" (حدیث کی ایک قسم ہے) سے ثابت ہیں لہذا ان کو "سنت" قرار دیں گے۔

**عام**: ہر ایسا لفظ ہے جو ایک ہی وضع میں کثیر افراد کو یک بارگی بغیر کسی عدد کی تعیین کے شامل ہو، اس کو "عام" کہتے ہیں۔

"عام" کے الفاظ دو طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) صیغہ اور معنی دونوں کے ساتھ عام۔ (۲) صرف معنی کے ساتھ عام۔

**مثالیں**: (۱) رِجَالٌ، نِسَاءٌ، یہ جمع کے صیغے ہیں، اور معنی بھی جمع کا ہے، بہت سے مرد، بہت سی عورتیں، تو صیغہ اور معنی دونوں کے ساتھ یہ عام ہے۔

(۲) مَن وہ لوگ جو کہ (عاقل) مَا وہ چیزیں جو کہ (غیر عاقل)۔ یہ دونوں الفاظ جمع کا صیغہ نہیں رکھتے، البتہ ان کا معنی جمع کا ہے، لہذا یہ صرف معنی کے ساتھ عام ہیں۔

**عام کا حکم**: تمام افراد کے لیے حکم کو قطعی طور پر ثابت کرنا، یہ عام کا حکم ہے لہذا قرآن کریم کو خبر واحد کے ذریعہ خاص کر لینا جائز نہیں۔

**مثال**: فاقرءوا ما تیسر من القرآن۔ اس آیت میں لفظ "مَا" عام ہے، قرآن کی تمام آیات (جو بھی آسان ہوں ان کو شامل ہے، اس کی دلالت قطعی ہے، لہذا مطلق قرأت قرآن اسی "عام" کی وجہ سے فرض قرار پائے گی، "سورۂ فاتحہ" پڑھنے پر نماز کے جائز ہونے

کا انحصار لازم نہ ہوگا۔

**عام کی قسمیں**: عام کی دو قسمیں ہیں:

۱۔عام غیر مخصوص (منہ البعض) ۲۔عام مخصوص (منہ البعض)

## تعریفات:

(۱) ایسا لفظ جو اپنے صیغہ اور معنی یا صرف معنی کے ذریعہ آن واحد میں تمام افراد کو شامل ہو، ان میں سے کسی فرد کو خاص کر کے نکالا نہ جائے یہ عام غیر مخصوص ہے۔

**مثال**: اس کی مثال اور حکم اوپر ابھی بیان ہوا۔

(۲) اگر عام کے بعض کو اس سے خاص کر لیا جائے تو اس کو" عام مخصوص (منہ البعض) کہتے ہیں۔

**مثال**: صَلُّوْا الا المَرْضٰی تم سب نماز پڑھو مگر بیمار لوگ اس مثال میں بیمار لوگوں کو نماز کے عمومی حکم سے نکال لیا گیا ہے۔

**خاص کرنے یا تخصیص کا مطلب**: اس کا مطلب یہ ہے کہ عام کے بعد ایک دلیل لفظی اس عام سے متصل مستقل طور پر لائی جائے، جیسے گذشتہ مثال:

صَلُّوْا الا المَرْضٰی میں "الا المَرْضٰی"

دلیل ہے، لفظی بھی ہے عام "صَلُّوْا" سے متصل بھی اور مستقل طور پر لائی بھی گئی ہے۔

**حکم**: عام کی دوسری قسم کا حکم ظنی ہے، پہلی کا قطعی یعنی عام کی دوسری قسم پر عمل اس باقی افراد میں ہوتا رہے گا، البتہ تخصیص کا احتمال باقی رہے گا۔

**مثال**: "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" اس آیت میں "مَن" عام ہے، ہر شاہد (رمضان میں زندہ موجود رہنے والے) کو شامل ہے چاہے وہ صحت مند ہو یا بیمار یا مسافر پھر اس عمومیت سے مریض اور مسافر کو خاص کر لیا گیا، خاص کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: "و من كان مريضا أو على سفر"۔

# "مشترک کا بیان"

**تعریف:** "مشترک" وہ لفظ ہے جو دو یا دو سے زیادہ معانی کے لیے الگ الگ وضع کیا گیا ہو۔

**مثال:** قرءٌ۔ ۱۔ حیض ۲۔ طہر۔

**وضاحت:** اوپر کی مثال میں لفظ "قرء" (جس کی جمع "قروء" قرآن میں آئی ہے) کے دو معانی ہیں، ایک حیض، دوسرے طہر، اس لیے یہ لفظ "مشترک" ہے۔

**حکم:** ترک کر دونوں معانی میں غور کرنا، پھر جب ایک معنی مرادی طے ہو جائے تو اس پر عمل کرنا۔

# "مؤوّل"

**مؤوّل:** ایسا لفظِ مشترک ہے جس کے کئی معانی میں سے ایک معنی، کسی ظنی دلیل سے راجح کر لیا جائے، وہ "مؤوّل" کہلاتا ہے۔

**مثال:** "جَاءَتْ جَارِيَةٌ" کشتی آئی، باندی آئی۔ اس مثال میں "جَارِيَةٌ" کے دو معنی ہیں: کشتی، باندی۔ یہ لفظ مشترک ہے، اس کے ایک معنی کو "جاءت" کی وجہ سے راجح کرلیں تو یہ "مؤوّل" بن جائے گا۔

**حکم:** غلطی کے احتمال کے ساتھ اس پر عمل ضروری ہے۔

**وضاحت:** مشترک کے دونوں معانی میں سے ایک کو راجح کرنے کے بعد اس پر عمل ضروری ہے، دوسرے یعنی غیر راجح معنی پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

**وجہ:** مشترک کے دونوں معنوں کو ایک ساتھ مراد لینا صحیح نہیں ہے، اس وجہ سے ایک کو راجح کر کے احتمالِ خطا کے ساتھ اسی پر عمل واجب ہوگا۔

## "مطلق"

علمائے اصول فقہ "خاص" کی بحث میں
امر نہی مطلق مقید
کو بھی ذکر کرتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ "خاص" کا صیغہ قرآن وحدیث کی عبارتوں میں ان چار شکلوں (امر، نہی، مطلق، مقید) کے ساتھ بڑی کثرت سے استعمال ہوا ہے۔

**مطلق:** مطلق ایسا لفظ خاص ہے جو ذات کو بتائے، صفت کو نہیں۔

**مثال:** قرآن کریم میں ہے: "تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ"۔

**توضیح:** رَقَبَةٍ یہ لفظ "مطلق" ہے، اس کے معنی: گردن، غلام (۱)۔ تو یہ لفظ گردن کی ذات کو بتارہا ہے، اس کی صفت (یعنی موٹا ہونا، پتلا ہونا، لمبی ہونا) کو نہیں۔

## "مقید"

**تعریف:** "مقید" ایسا لفظ ہے، جو ذات اور صفت دونوں کو بتلائے۔

**مثال:** قرآن کریم میں ہے: "تَحْرِيْرُ" "رَقَبَةٍ مؤمنة"

**تشریح:** "رقبة مؤمنة" مقید کی مثال ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ "رقبة مؤمنة" یہ مومن گردن یعنی گردن والے (غلام) کو بتلارہا ہے، تو غلام یہ ذات ہے اور مومن صفت ہے اور لفظ رقبة مومنة، ذات اور صفت دونوں کو بتلارہا ہے، لہٰذا یہ "مقید" ہے۔

---

(۱) رقبۃ کے حقیقی معنی گردن اور مجازی معنی "غلام" صاحب گردن کے ہیں، مجازی معنی کے اعتبار سے غلام کی ذات کو "رقبہ" کا لفظ بتلا رہا ہے، اس کے موٹے پتلے، مومن کافر، مشرک، ملحد، یہودی، نصرانی کو نہیں بتلا رہا ہے۔)

**حکم**: مطلق پر بلا قید کے عمل کیا جائے گا، اور مقید پر قید کے ساتھ۔ لیکن اگر حکم اور محکوم علیہ ایک ہی ہو تو مطلق کو مقید کر دیا جائے گا۔

**حکم کی وضاحت**: قرآن کریم میں دو آیتیں ہیں: ایک مطلق۔ دوسرے مقید۔
مطلق آیت: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ" ہے، اس میں "الدَّم" خون مطلق ہے۔
مقید آیت "اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا" ہے، اس آیت میں "دَمًا مَّسْفُوْحًا" مقید ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں ایک ہی حکم لگایا گیا ہے: یعنی خون حرام ہے، اور جس پر حکم لگا ہے وہ دونوں آیتوں میں ایک ہے یعنی خون۔ تو خون محکوم علیہ ہے وہ بھی ایک، اور حرام ہونا حکم ہے وہ بھی ایک، لہٰذا اس طرح کے مقام میں مطلق والی پہلی آیت کو دوسری کے ساتھ مقید کریں گے۔

## "امر"

**امر کی تعریف**: ایسا لفظِ خاص جو فعل (کوئی بھی کام) طلب کرے اور طلب کرنے والا بڑا ہو۔

**مثال**: آیت شریفہ ہے: اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، نماز قائم کرو۔

**تشریح**: اس آیت میں نماز کے فعل کو طلب کیا ہے اور طلب کرنے والا اللہ ہے جو بڑا اعلیٰ کہ سب سے بڑا ہے۔

**حکم**: امر اگر قرینہ سے خالی ہو تو احناف کے نزدیک اس پر عمل کرنا واجب ہے، اسی طرح اگر امر میں تکرار کا قرینہ موجود نہ ہو تو وہ فعل ایک ہی مرتبہ واجب ہوگا۔

**وضاحت**: اس حکم کی تشریح یہ ہے کہ جب کسی سے کہا، کہ نماز پڑھو۔ تو فعل نماز واجب ہوگا، کیوں کہ یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے، ایسے ہی تکرار کا بھی کوئی قرینہ نہیں ہے، اس لیے ایک ہی بار ادا کرنا واجب ہوگا۔

امر سے جو حکم واجب ہوتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ادا (۲) قضا

**ادا:** امر سے ثابت ہونے والے حکم کو بعینہٖ اس کے شرعی مقرر وقت میں کر لینا "ادا" کہلاتا ہے۔

**قضا:** ثابت شدہ حکم کو وقت گزرنے کے بعد کرنا "قضا" کہلاتا ہے۔

ادا کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ کامل ۲۔ قاصر

**ادائے کامل:** کوئی عمل اس کی تمام شرعی خوبیوں کے ساتھ انجام دینا "ادائے کامل" کہلاتا ہے۔

**مثال:** نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا۔

**وضاحت:** نماز ایک عمل ہے، اللہ نے کلام پاک میں ۳۰۰ سے زائد آیتوں میں صراحۃً واشارۃً اس کا حکم دیا ہے، اس کو جماعت کے بغیر بھی ادا کریں تو ادا ہو جائے گی، لیکن جماعت کے ساتھ ادا کریں گے، تو حسن وکمال کے ساتھ ادا ہوگی، تو اس طرح کی ادائیگی ادائے کامل ہوگی، اسی طرح جیسے ایک حسی مثال ہے، آدمی نے دوسرے کو قلم ڈھکن (cap) کے ساتھ دیا، اب واپس کرنے اور ادا کرنے کی بات آئی تو اگر قلم بغیر ڈھکن کی ساتھ واپس کرے تو بھی ادائیگی ہے، کہ لکھنے کا عمل ہو سکتا ہے، لیکن ڈھکن کے ساتھ واپسی "ادائے کامل" ہے۔

**ادائے قاصر:** کوئی عمل اس کی خوبی میں کمی کے ساتھ انجام دینا "ادائے قاصر" کہلاتا ہے۔

**مثال:** نماز اکیلے پڑھنا۔

**وضاحت:** نماز ایک عمل ہے، اس کی ایک خوبی ہے کہ جماعت کے ساتھ ادا کی جائے، اب اکیلے پڑھا تو اس خوبی کو چھوڑنے کی وجہ سے نماز کی ادائیگی "قاصر" ہوگی۔

قضا کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ قضائے کامل ۲۔ قضائے قاصر

**قضائے کامل**: جو چیز ادا کرنا واجب تھی اسی طرح کی چیز جو شکل وصورت اور حقیقت میں بھی اسی کی طرح ہو ادا کرنا "قضائے کامل" ہے۔

**مثال**: روزے کی قضا روزے کے ذریعہ کی جائے۔

**توضیح**: رمضان کے تیس یا انتیس روزے فرض ہیں ان کو رکھنا اپنے ہی وقت پر ادا ہے کسی کا ایک روزہ فوت ہو گیا تو رمضان کے علاوہ کسی بھی دن میں روزہ رکھ لیا تو یہ پہلے روزے کے بدلہ میں روزہ ہوا لہٰذا "قضائے کامل" کہلائے گا۔

**قضائے قاصر**: واجب چیز کی طرح کوئی اور چیز نہیں، تو اس کی قیمت وغیرہ دینا، "قضائے قاصر" ہے۔

**مثال**: روزے کے بدلے میں فدیہ۔

**تشریح**: روزے چھوٹے ہیں، رکھ نہیں پا رہا ہے، تو اس کی قیمت ایک آدمی کے صدقۂ فطر کے برابر ایک روزے کے عوض دینا قضا ہے، اور وہ بھی "قضائے قاصر"۔

**مامور بہ**: جس چیز کا حکم دیا جائے وہ "مامور بہ" ہے۔ "مامور بہ" کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ مطلق عن الوقت ۲۔ مقید بالوقت

**مطلق عن الوقت**: ایسا مامور بہ جس کی ادائیگی کے لیے شریعت نے کوئی وقت متعین نہ کیا ہو کہ وقت چلے جانے سے وہ حکم بھی چلا جائے۔

**مثال**: زکاۃ، صدقۂ فطر۔

**وضاحت**: شریعت نے حکم دیا ہے کہ زکاۃ ادا کرو، تو یہ زکوٰۃ "مامور بہ" ہے اور کب ادا کرو "کوئی وقت شریعت نے متعین نہیں کیا ہے تو وقت کی قید سے آزاد ہوا، لہٰذا مطلق عن الوقت ہے، اب عمر کے جس مرحلے میں بھی زکوٰۃ دیں وہ ادا کہلائے گی؛ قضا نہیں۔ ایسے ہی صدقۂ فطر ہے۔

**مقید بالوقت**: ایسا مامور بہ جس کی ادائیگی کے لیے شریعت نے وقت مقرر کیا ہو وہ

"مقید بالوقت" ہے۔

**مثال**: پنج وقتہ نمازیں، رمضان کے روزے، حج بیت اللہ۔

**تشریح**: دن بھر کی پانچ نمازوں کا اللہ نے حکم دیا ہے تو یہ مامور بہ ہوئیں، پھر ہر ایک کی ادائیگی کے لیے وقت مقرر کیا ہے کہ فجر کی نماز صبح صادق کے بعد سے طلوع آفتاب تک ہی پڑھ سکتے ہیں" ایسے ہی اور نمازیں تو یہ مامور بہ "مقید بالوقت" ہوئیں۔ ایسے ہی رمضان شریف کے روزوں کے لیے دن کا وقت مقرر ہے رات میں کوئی روزہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ بھی مامور بہ مقید بالوقت ہوا ایسے ہی حج کہ مخصوص ایام ہی میں ادا ہو سکتا ہے۔

# مقید بالوقت کی قسمیں

پھر مقید بالوقت کی تین قسمیں ہیں:

۱) **ظرف**: اس کو "مُوَسَّع" بھی کہتے ہیں۔

۲) **معیار**: اس کو "مُضَیَّق" بھی کہتے ہیں۔

۳) **مشکل**: اس کو "مشکل" ہی کہتے ہیں۔

**تعریفات**:

**ظرف**: مامور بہ واجب کی ادائیگی کے بعد وقت بچ جائے۔

**مثال**: پنج وقتہ نمازیں۔

**وضاحت**: "فجر کی نماز پڑھنے کے بعد وقت بچ جاتا ہے کہ صبح صادق کے بعد سے طلوع آفتاب تک لمبا وقت رہتا ہے۔ اسی طرح "ظہر" کی نماز کے لیے زوال کے بعد اس سے دو مثل سائے تک وقت رہتا ہے کہ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد وقت بچا رہتا ہے۔ اسی پر اور نمازیں قیاس کر لیں۔

**حکم**: اس میں مامور بہ متعین نیت کے ساتھ ہی ادا ہوگا۔
غیر واجب کو بھی اس وقت میں ادا کرنے کے وسعت و گنجائش ہے۔ اسی لیے اس کا دوسرا نام "موسع" بھی ہے۔

## "معیار"

**معیار**: اس کا نام "مضیق" بھی ہے۔
**تعریف**: مامور بہ اور وقت دونوں بالکل برابر ہوں۔
**مثال**: روزہ۔
**توضیح**: روزہ کو معیار یا مضیق کہتے ہیں کہ روزہ کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک رہتا ہے، اور اسی وقت روزہ بھی ختم ہو جاتا ہے، یعنی روزہ اور اس کا وقت برابر سرابر ہوئے۔
**حکم**: اس وقت میں مامور بہ کے علاوہ کوئی اور چیز جائز نہیں اس لیے کہ شریعت نے خود ہی مامور بہ کو متعین کر دیا ہے، لہٰذا اس تعین کی ضرورت نہیں باقی رہتی کہ میں اسی واجب (فرض) روزے کو ادا کرنے جا رہا ہوں، مثلاً:
**مثال**: رمضان کے ماہ میں روزہ: ایک آدمی نے روزے کی نیت کی لیکن رمضان کے روزہ کی صراحت نہیں کی تو رمضان ہی کا روزہ مانا جائے گا کیوں کہ شریعت نے یہ وقت رمضان ہی کے لیے متعین کر دیا ہے، لہذا بندے کی تعیین کی ضرورت نہیں، البتہ اگر غیر رمضان کا مہینہ ہے تو اس میں قضاء، واجب، نذر، نفل سب طرح کا روزہ رکھا جا سکتا ہے، شریعت نے متعین نہیں کیا ہے، لہٰذا اس میں بندے کی تعین کی ضرورت پڑے گی کہ میں رمضان کی قضاء رکھ رہا ہوں یا پھر نفل یا کوئی نذر کا روزہ۔

# ""نہی""

**تعریف** : ایسا لفظ جس میں بڑے کی طرف سے چھوٹے سے کسی فعل کے نہ کرنے کی طلب ہو، وہ ""نہی"" کہلاتا ہے۔

**مثال**: بس اسی ایک کی عبادت کرو: لاتعبدوا الا ایاہ (ق)

**تشریح**: اس مثال میں لفظ "                " سے عبادت کے فعل نہ کرنے کی طلب ہے، بڑے کی طرف سے ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہیں، چھوٹوں سے ہے: وہ بندے اور بندیاں ہیں۔

**حکم**: اس فعل منہی عنہ (منع کردہ فعل) کو نہ کرنا فرض ہے/یا کرنا حرام ہے۔ہاں اگر اس کے خلاف شریعت کی کوئی اور دلیل ہو تو حکم بدل جائے گا۔

## منہی عنہ اور اس کی اقسام

**منہی عنہ**: جس بات سے اللہ تعالیٰ روکیں، وہ ""منہی عنہ"" ہے۔

**نوٹ** : ""منہی عنہ"" میں ہمیشہ کوئی ""قباحت"" ضرور ہوتی ہے۔جس بات میں قباحت ہو، اس کو ظاہر ہے قبیح کہیں گے۔

منہی عنہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔قبیح لعینہ ۲۔قبیح لغیرہ

**قبیح لعینہ** : جس بات سے اللہ تعالیٰ روکیں، اگر اس کے اندر، اس کی ذات میں قباحت ہو تو اس کو قبیح لعینہ کہتے ہیں۔

**مثال**: "کفر" نہ کرو۔

**تشریح**: "کفر" سے اللہ تعالی نے روکا ہے، اور کفر کے ذات کے اندر قباحت (برائی) ہے، لہذا "کفر" "قبیح لعینہ" ہے۔

**قبیح لغیرہ**: جس بات سے اللہ تعالی روکیں اگر اس میں قباحت تو نہیں لیکن اس کے غیر کی قباحت اس میں آجائے تو اس کو "قبیح لغیرہ" کہتے ہیں۔

**مثال**: دسویں ذی الحجہ کو "روزہ" رکھنا۔

**تشریح**: دسویں ذی الحجہ کو اللہ تعالی نے روزہ رکھنے سے روکا ہے، تو روزہ "منہی عنہ" ہوا۔ اب روزہ میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن دسویں ذی الحجہ کی تاریخ کی وجہ سے روزے میں بھی قباحت آ گئی، تو یہ روزہ "قبیح لغیرہ" ہوا۔

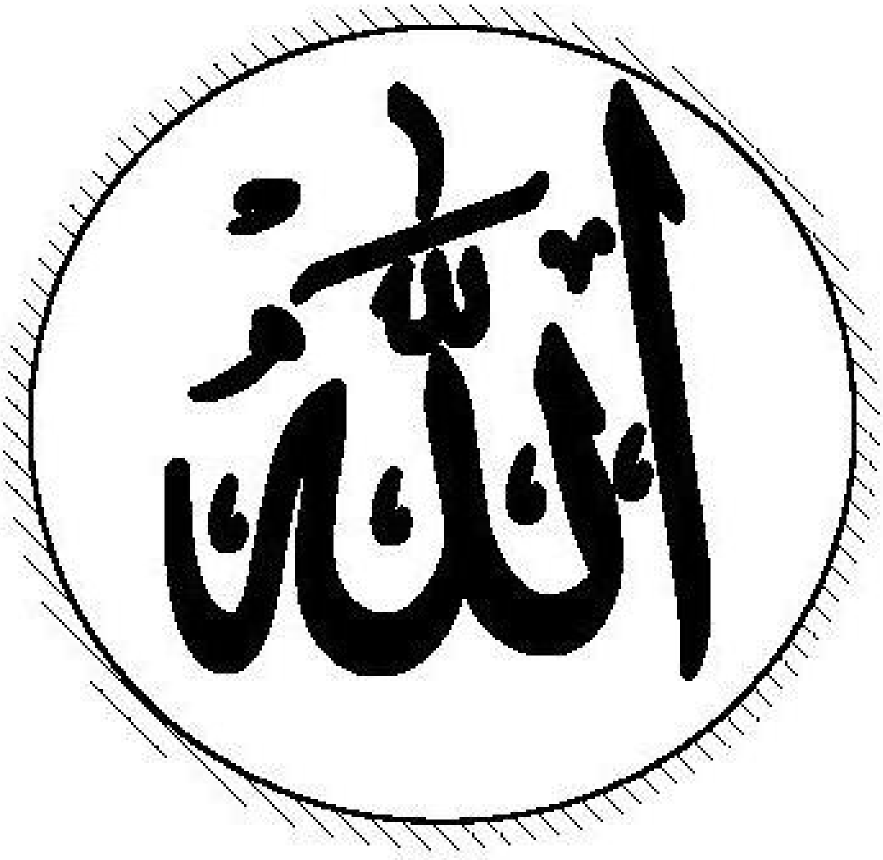

دوسری بحث:

# ''الفاظ کے استعمال کے بیان میں''

الفاظ کی استعمال کے اعتبار سے کل چار اقسام ہیں:

۱۔ حقیقت ۲۔ مجاز ۳۔ صریح ۴۔ کنایہ

**دلیل حصر** :لفظ اپنے ''موضوع لہ'' میں استعمال ہوگا یا نہیں اگر ''موضوع لہ'' میں استعمال ہے تو ''حقیقت'' ہے ورنہ ''مجاز'' اور لفظ کا معنی (موضوع یا غیر موضوع لہ) استعمال میں واضح ہوگا یا نہیں اگر واضح ہے تو ''صریح'' کہلائے گا، ورنہ ''کنایہ''

**حقیقت** :لفظ اپنے لغوی موضوع لہ میں استعمال ہو تو اس لفظ کو ''حقیقت'' کہتے ہیں۔ اسی طرح شرعی موضوع لہ میں یا عرفی موضوع لہ میں استعمال ہو تو اس کو بھی ''حقیقت'' کہتے ہیں۔ لہٰذا حقیقت کی تین قسمیں ہوئیں:

۱۔ حقیقت لغویہ ۲۔ حقیقت شرعیہ ۳۔ حقیقت عرفیہ

**تعریفات:**

اگر لفظ کا ''موضوع لہ'' ''لغوی'' ہو تو وہ حقیقت لغویہ ہے۔

اگر لفظ کا ''موضوع لہ'' ''شرعی'' ہو تو وہ ''حقیقت شرعیہ ہے۔

اگر لفظ کا ''موضوع لہ'' ''عرفی'' ہو تو وہ ''حقیقت عرفیہ ہے۔

**مثالیں** :حجرۃ ،کمرہ۔ کمرہ معنی موضوع لہ لغوی ہے۔ لہٰذا حجرۃ کمرہ کے لیے ''حقیقت لغویہ'' ہے۔

صلاۃ: نماز: نماز معنی موضوع لہ ہے جس کو شریعت نے مقرر کیا ہے، لہٰذا صلاۃ نماز کے مفہوم کے لیے ''حقیقت شرعیہ'' ہے۔

فعل جو اپنے معنی کو زمانے کے ساتھ بتائے ،یہ موضوع لہ عرفی ہے ،لہذا اس کو "حقیقتِ عرفیہ" کہتے ہیں۔

**مجاز** : کسی لفظ کا غیر موضوع لہ میں استعمال ،موضوع لہ اور غیر موضوع لہ دونوں معنوں میں کسی تعلق کی بنیاد پر، "مجاز" کہلاتا ہے۔

**مثال**: بہادر آدمی کو "اسد" شیر کہنا مجاز ہے۔

**وضاحت**: "اسد" کا معنی موضوع لہٗ "شیر" مخصوص درندہ ہے،اور معنی غیر موضوع لہٗ "بہادر آدمی" ہے،اسی معنی غیر موضوع لہ یعنی بہادر آدمی کے لیے "اسد" کو استعمال کیا گیا ہے اور دونوں معنوں میں تعلق بھی ہے،وہ ہے بہادر، آدمی بھی بہادری ہے،شیر بھی؛اس تعلق کو "علاقہ" کہتے ہے۔

علاقہ دو طرح کا ہوتا ہے:

۱۔تشبیہ کا ۲۔غیر تشبیہ کا

"تشبیہ" کا علاقہ ہو تو اسے "استعارہ" کہتے ہیں۔اور "غیر تشبیہ" کا علاقہ ہو تو اُسے "مجاز مرسل" کہتے ہیں۔

**نوٹ** :اہلِ اصول دونوں کو مجاز کہتے ہیں "اہلِ بلاغت" تشبیہ والے کو "استعارہ" اور غیر تشبیہ والے کو "مجازِ مرسل" کہتے ہیں۔

**ضروری باتیں** جب کسی لفظ کو موضوع لہ کے علاوہ میں استعمال کریں گے تو یہ ضروری ہے کہ یہاں کوئی قرینہ ہو۔

**قرینہ**:لفظ یا معنی کی ایسی حالت جو کلام سے متصل ہو۔قرینہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱)لفظیہ (۲)غیر لفظیہ

**قرینۂ لفظیہ**:ایسا لفظ یا جملہ جو کلام سے متصل ہو۔یہ دو طرح کا ہوتا ہے:

۱۔سابقہ ۲۔متاخرہ

**مثال**: قرآن کریم میں ہے: فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا: جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر کرے، بے شک ہم نے ظالموں کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔

**توضیح**: اس مثال میں فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ اور وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ دونوں جملوں سے حقیقی معنی ایمان اور کفر کا اختیار معلوم ہوتا ہے، لیکن إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا کا جملہ "قرینہ لفظیہ" ہے جو لفظ ہے اور کلام سے متصل و موخر ہے یہ مجازی معنی کی طرف پھیر رہا ہے یعنی زجر و توبیخ۔

**حکم**: حقیقت و مجاز کا حکم یہ ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ ایک ہی لفظ سے مراد نہیں لے سکتے۔

**مثال**: صاع ہے، اس کا حقیقی معنی "ناپنے کا خاص برتن" ہے، اور مجازی معنی "اس برتن میں جو چیز سمائے"۔

**تشریح**: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "لا تبیعوا الصاع بالصاعین"

ترجمہ: ایک صاع کو دو صاع کے بدلے نہ بیچو۔

معلوم ہوا کہ ایک صاع کو دو صاع کے بدلے میں فروخت کرنا سود اور حرام ہے۔

اب دیکھیے کہ "صاع" کے دو معنی ہیں: ایک ناپنے کا خاص برتن، یہ حقیقی معنی ہے، دوسرے برتن میں جو چیز سمائے، یہ مجازی معنی ہے۔ دونوں معنی ایک ساتھ مراد نہیں ہو سکتے اور اللہ کے رسول نے ایک صاع کو دو صاع کے بدلے بیچنے کو حرام قرار دیا ہے تو احناف رحمہم اللہ نے ایک معنی مراد لے لیا، وہ ہے "مجازی معنی" یعنی: جو چیز برتن میں سمائے۔ لہذا یہ چیز ایک صاع دو صاع کے بدلے حرام ہوگی اور "برتن" ایک کے بدلے دو فروخت ہو سکتا ہے۔

مجاز کی ایک قسم "عموم مجاز" ہے۔

**عموم مجاز**: کسی لفظ کو مجازی معنی میں استعمال کریں اور یہ معنی اتنا عام ہو کہ حقیقت کو

بھی شامل ہو جائے تو اس کو "عمومِ مجاز" کہتے ہیں۔

**مثال** : کسی نے کہا: خدا کی قسم اتمہارے گھر میں قدم نہیں رکھوں گا اس جملے کے دو معنی ہیں: ایک معنی ننگے پیر داخل ہونا ہے یہ حقیقت ہے، اور دوسرا معنی "داخل ہونا" ہے، یہ مجاز ہے، اور یہ ایسا معنی ہے جس میں ننگے پیر داخل ہونا اور جوتا پہن کر داخل ہونا دونوں شامل ہے، گویا کہ حقیقت بھی اس میں داخل ہے، اور مجاز اس حقیقت کو عام ہے اس کو "عمومِ مجاز" کہتے ہیں۔

## "صریح"

**صریح**: ایسا لفظ ہے جس کا معنی ومفہوم زیادہ استعمال کی وجہ سے خوب ظاہر ہو۔

**مثال**: اَنْتِ طَالِقٌ تم کو طلاق۔

**وضاحت** : یہ الفاظ صریح ہیں، کیوں کہ ان کے معنی ومفہوم ظاہر ہیں، اور ان الفاظ کا استعمال بھی زیادہ ہے۔

**نوٹ** :حقیقت اور مجاز دونوں صریح ہوتے ہیں اور غیر صریح یعنی کنایہ بھی اگر مفہوم خوب ظاہر ہے تو چاہے مفہوم حقیقی ہو یا مفہوم مجازی، اس کو صریح کہیں گے۔ مجاز صریح کی مثال میں یہ کہہ سکتے ہیں وَاللّٰہِ لَا اٰکُلُ مِنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ، خدا کی قسم امیں اس درخت کا پھل نہیں کھاؤں گا، یہ مجازی مفہوم ہے، اور اس کو سبھی جانتے ہیں، اس لیے کثرتِ استعمال کی وجہ سے صریح بھی ہے۔

**صریح کا حکم** :معنی ثابت ہونے میں نیت کی ضرورت قطعاً نہیں پڑتی، صرف کلام یا جملہ منہ سے نکالتے ہی معنی ثابت ہو جاتا ہے۔

# ”کنایہ“

**تعریف:** ”کنایہ“ ایسا لفظ ہے جس کا معنی مرادی استعمال کی وجہ سے پوشیدہ ہو۔

**مثال:** اَنتِ بَائِن ”تم جدا ہو۔

**وضاحت:** انت بائن یہ لفظ بول کر الفاظ کا معنی مرادی کیا ہے، تم جدا ہو، تم کس سے جدا ہو کام کاج سے، بچوں سے شوہر سے، میکے سے، کس سے، معلوم نہیں، معنی مرادی استعمال کی وجہ سے پوشیدہ ہے۔

**نوٹ:** پوشیدگی کیسے دور ہوگی؟ کسی قرینے سے، قرینۂ حالیہ ہو یا مقالیہ، مثلاً میاں بیوی خوش خوش بیٹھے ہیں اتنے میں میاں بولتا ہے تم آزاد ہو، تم الگ رہو، یعنی وہ اس سے کوئی کام نہیں کروانا چاہتا۔

**کنایہ:** اس کا تعلق ”حقیقت“ ”مجاز“ دونوں سے ہوتا ہے۔ یعنی اگر معنی پوشیدہ ہیں تو وہ معنی حقیقی بھی ہو سکتے ہیں۔ اور معنی مجازی بھی۔

**کنایے کا حکم:** اس پر عمل ”نیت“ یا ”دلالتِ حال“ کی وجہ سے واجب ہوگا۔

**وضاحت:** جیسے کہ بیوی کے ساتھ بیٹھ کر طلاق دینے نہ دینے کی بات غصے کی حالت میں چل ہی رہی تھی کہ شوہر نے بیوی سے کہا: ”جاؤ! اپنے میکے چلی جاؤ، تمہاری ضرورت نہیں“ یہ جملہ کنایہ ہے، اس کا ایک معنی تو یہی ہے کہ اپنے میکے جاؤ، تمہاری ضرورت نہیں ہے، دوسرا معنی ”طلاق ہے، اور اس طرح کی حالتِ غصہ اس (کنایہ) معنی طلاق کو عمل میں لانا واجب کر دے گی۔

تیسری بحث:

# "الفاظ کی وضاحت اور پوشیدگی کے بیان میں"

الفاظ اپنے معانی بتانے میں واضح ہیں، اور کتنے واضح ہیں، اسی طرح الفاظ اپنے معانی بتانے میں غیر واضح یعنی مخفی ہیں، اور کتنے مخفی ہیں، ان سب کا بیان اس بحث میں آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

اس طرح کے الفاظ کی "کل آٹھ قسمیں" اصول میں بتائی جاتی ہیں، اس میں ۴/واضح کی اور ۴/غیر واضح کی قسمیں ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| (۱) ظاہر | ← | (۵) خفی |
| (۲) نص | ← | (۶) مشکل |
| (۳) مفسر | ← | (۷) مجمل |
| (۴) محکم | ← | (۸) متشابہ |

**دلیلِ حصر**: وضاحت وخفا (پوشیدگی) کے لحاظ سے الفاظ کی کل آٹھ قسمیں ہیں اس کی دلیل حصر یہ ہے کہ اگر لفظ اپنا معنی بتانے میں واضح ہے تو وضاحت کے کئی "درجے" ہیں۔

مثلاً لفظ کا معنی ظاہر ہے تو تاویل کا احتمال ہے یا نہیں؟

اگر تاویل کا احتمال ہے تو معنی کا ظاہر ہونا۔

یا تو محض صیغے سے ہوگا یا نہیں۔

اگر صرف صیغے سے ہے تو اس لفظ کا نام "ظاہر" ہے۔

اور اگر محض صیغے سے نہیں تو اس لفظ کا نام "نص" ہے۔

اور اگر تاویل کا احتمال ہے تو نسخ قبول کرے تو اس کا نام "مفسر" ہے، اور نسخ قبول نہ

کرے تو اس کا نام "محکم" ہے۔

اسی طرح اس کے برعکس اگر لفظ اپنا معنی بتانے میں غیر واضح ہو تو خفی، مشکل، مجمل، متشابہ کہتے ہیں، اور "وجہ حصر" یہ ہے کہ لفظ کا معنی غیر واضح ہونے کے کئی درجے ہیں، چناں چہ لفظ کا معنی یا تو غیر واضح ہے کسی عارض کی وجہ سے، یا اسی لفظ کے صیغے کی وجہ سے، اگر عارض کی وجہ سے خفا ہے تو اس لفظ کو "خفی" کہتے ہیں اور اگر صیغے کی وجہ سے خفا ہے تو اگر غور وفکر کر کے اس کا معنی معلوم ہو سکتا ہے تو "مشکل" ہے اور اگر غور وفکر سے معنی جاننا ممکن نہ ہو، تو "بیان" موجود ہونے کی صورت میں "مجمل" ہے، ورنہ "متشابہ"۔

## تعریفات مع امثلہ واحکام:

**ظاهر**: ایسا لفظ ہے جس کی مراد لفظ بولتے ہی ظاہر ہو جائے، اور اس لفظ کو اس مراد کے لیے نہ لایا گیا ہو۔

**مثال**: اللہ کا ارشاد ہے: أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا۔ اللہ نے بیع حلال فرمائی ہے اور سود حرام یہ آیت بیع کی حلت اور ربا کی حرمت میں ظاہر ہے۔

**حکم**: اس پر عمل واجب ہے خواہ لفظ عام ہو یا خاص۔

**نص**: ایسا لفظ ہے جس کی مراد "ظاہر" سے زیادہ واضح ہو، بایں طور کہ کلام کو اسی مراد کے لیے لایا اور استعمال کیا گیا ہو۔

**مثال**: اللہ کا فرمان ہے: أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا۔ یہ قرآنی آیت "بیع" اور "ربوا" یعنی سود کے درمیان فرق بتانے کے لیے لائی گئی ہے۔

**حکم**: اس پر بھی عمل واجب ہے چاہے عام ہو یا خاص۔ اگر عام ہے تو تخصیص کا بھی احتمال رہے گا۔ اور اگر خاص ہے تو تاویل کا بھی احتمال رہے گا۔ نص میں بھی ایسا ہوگا، ظاہر میں بھی۔

**مفسّر**: ایسا لفظ ہے جو نص اور ظاہر سے زیادہ واضح ہو، نیز اس میں تاویل یا تخصیص کا احتمال نہ ہو۔

**مثال**: اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً ... قَاتِلُوْا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّۃً۔

**وضاحت**: دونوں مثالیں "مفسّر" کی ہیں۔ پہلی مثال میں جمع کا صیغہ۔ اور دوسری میں "مشرکین" کا لفظ عام تھا، تخصیص کا احتمال تھا، تو "کَافَّۃً" کے لفظ نے احتمال ختم کر دیا۔

**حکم**: اس پر عمل واجب ہے، لیکن اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منسوخ ہو گیا ہو۔

**محکم**: ایسا لفظ ہے جو "مفسّر" سے بھی زیادہ واضح ہو کہ نسخ کا احتمال بھی نہ ہو۔

**مثال**: وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا۔

**وضاحت**: جس کو "حدِ قذف" لگ چکی ہو اس کی گواہی کبھی نہیں قبول کی جائے گی، اس حکم شرعی کو "محکم" کہتے ہیں، اس لیے کہ اس میں "اَبَدًا" کا لفظ آیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی نسخ کے احتمال کو ختم کر رہا ہے۔

**حکم**: اس پر عمل، تاویل، تخصیص اور نسخ کے احتمال کے بغیر واجب ہے۔

ان مذکورہ چاروں قسموں کی دلالت اپنے معانی پر "قطعی" ہے، لیکن وضاحت میں فرق ہے، بعض کی اپنے معنی پر دلالت زیادہ واضح ہے، بعض کی کچھ کم، لیکن وضاحت سب میں ہوتی ہے، وضاحت کا فرق اس وقت معلوم ہوگا جب دو قسموں میں ٹکراؤ (تعارض) ہو۔

چناں چہ اگر "ظاہر" اور "نص" کا ٹکراؤ ہو تو نص پر عمل کریں گے، اور اگر نص اور مفسر کا ٹکراؤ ہو تو "مفسر" کو ترجیح دے کر اس پر عمل کریں گے۔ اور اگر "مفسر" اور "محکم" میں ٹکراؤ ہو تو "محکم" پر عمل کریں گے۔

## متقابلات:

"ظاہر"، "نص"، "مفسر" اور "محکم"

اور "خفی"، "مشکل"، "مجمل" اور "متشابہ"

کل آٹھ قسمیں ہیں، ان کو "متقابلات" کہتے ہیں۔

چناں چہ ظاہر کے مقابلے میں خفی

نص کے مقابلے میں مشکل

مفسر کے مقابلے میں مجمل

اور محکم کے مقابلے میں متشابہ

استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس میں "ظاہر" سے لے کر "محکم" تک درجہ بہ درجہ وضاحت زیادہ ہوگی، "ظاہر" میں "وضاحت" سب سے کم، اور "محکم" میں "وضاحت" سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

**ضابطہ**: اگر "ظاہر" اور "نص" میں ٹکراؤ (تعارض) ہو تو "نص" پر عمل کریں اسی طرح دیگر کو بھی سمجھ کر قیاس کرلو، جیسا کہ ابھی گزرا۔

## "خفی"

**تعریف**: خفی ایسا لفظ ہے جس کی مراد کسی عارض کی وجہ سے پوشیدہ ہو، نہ کہ اس لفظ کے صیغے کی وجہ سے۔

**مثال**: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا۔

**وضاحت**: اس مثال میں "السارق" کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کسی کے محفوظ اور اچھے خاصے (محترم) مال کو چپکے سے لے لینا، جب بھی "سارق" بولیں گے تو فوراً یہی معنی ذہن

میں آجائے گا، تو لفظ "سارق" اس معنی کے لیے ظاہر ہے۔

اب دیکھیے ایک لفظ ہے "طرار" جیب کترا۔ دوسرا لفظ ہے "نباش" کفن چور۔

طرار کا کام یہ ہے کہ مالک کی موجودگی میں مال جھپٹ سے لے لیتا ہے، اور نباش کا کام یہ ہے کہ قبروں سے کفن نکال لاتا ہے۔

ان دونوں معنی میں غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ طرار مالک کی موجودگی اور بیداری میں مال لیتا ہے تو "سارق" سے زیادہ مفہوم (لینے کا) اس میں موجود ہے اسی بنا پر اس کا نام بھی طرار الگ سے رکھ دیا گیا۔

اور "نباش" مردے سے اس کا کفن اٹھا لاتا ہے تو اس میں مفہوم اخذ کچھ کم اور ہلکا ہو گیا، اسی لیے اس کا نام بھی الگ "نباش" رکھ دیا گیا۔

**خفی کا حکم:** اس بات میں غور کریں کہ "معنی کی پوشیدگی" معنی میں کسی کمی کی بنا پر ہے یا زیادتی کی بنا پر، اگر معنی میں پوشیدگی زیادتی کی بنا پر ہے تو ظاہر آیت/نص کا حکم اس پر بھی لاگو کریں گے، ورنہ نہیں۔

چناں چہ "طرار" میں زیادتی معنی ہے، لہٰذا اس پر ظاہر آیت کا حکم "ہاتھ کاٹنا" نافذ کریں گے، اور "نباش" میں معنی کی کمی ہے تو "ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں لگائیں گے۔

**مشکل:** ایسا لفظ "مشکل" کہلاتا ہے جس کا معنی مرادی اسی لفظ کے صیغے کی وجہ سے پوشیدہ ہو(۱)۔

**قرآن کی آیت ہے:** "وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ"۔

**تشریح:** اس آیت میں لفظ "قروء" کو دیکھیے، یہی لفظ "مشکل" کہلاتا ہے، یہ جمع ہے، اس کا واحد "قرء" آتا ہے، "قرء" کے دو معنی ہیں: ایک حیض، دوسرے طہر (پاکی)۔ اب

---

(۱) یعنی اس طور کہ لفظ کے دو معنی ہیں، کسی ایک معنی کو لفظ متعین طور پر نہ بتائے جیسا کہ مشترک الفاظ میں ہوتا ہے، بل کہ الگ سے کسی قرینے کی بنا پر ہی کوئی ایک معنی متعین ہو سکے۔

دیکھنا ہے کہ دونوں معنوں میں سے کون معنی مراد ہے، معلوم نہیں، تو اسی "قُـرْءٌ" کے صیغے کی وجہ سے معنی مرادی معلوم نہیں، لہٰذا اس کا نام "مشکل" ہو گیا(۱)۔

**حکم** :مشکل کی جو بھی مراد ہو، اس کے حق ہونے کا اعتقاد رکھنا، اور غور و فکر کر کے اس کے مرادی معنی کی تلاش کرتے رہنا، یہاں تک کہ معنی مرادی کا پتہ چل جائے۔

**مجمل** :ایسا لفظ ہے جس کی مراد اس کے صیغے ہی کی وجہ سے اتنی پوشیدہ ہو کہ کسی خارجی قرینے سے پوشیدگی دور نہ ہو، بلکہ اس لفظ کو بولنے والا خود ہی مراد واضح کرے۔

**مثال**: نماز، روزہ، زکاۃ، حج۔

**وضاحت** :دیکھیے! نماز کا حکم ہے، نماز کے لیے اللہ کا لفظ ہے الصلاۃ، اس کے معنی دعا کے ہیں، اب دعا کیسے کی جائے، کس وقت کی جائے اور طریقہ کیا ہو؟ کچھ معلوم نہیں، تو شارع علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو خود پڑھ کر بیان کر دیا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان نہ کرتے تو معنی پوشیدہ رہتے، لہٰذا (نماز) صلاۃ مجمل لفظ ہوا۔

اسی طرح زکاۃ کا لفظ زیادتی اور پاکیزگی کے لیے بنا ہوا ہے، حج کا لفظ ارادہ کرنے کے معنی میں آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم متکلم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مراد بتلائی تب واضح ہوا، لہٰذا زکاۃ اور حج کے الفاظ بھی مجمل ہوئے۔

**حکم**: مجمل کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد کے حق ہونے کا اعتقاد رکھا جائے گا، بعد از اں متکلم کے مرادی مفہوم کے کھل جانے تک تین کام کیا جائے گا:

۱) معنی مرادی کی تلاش۔ ۲) غور و فکر۔ ۳) ٹھہر کر معنی مراد کا انتظار۔

متشابہ وہ لفظ ہے جس کا معنی مرادی اپنے صیغے کی وجہ سے اتنا پوشیدہ ہو کہ نہ قرینۂ خارجیہ سے پوشیدگی دور ہو سکے اور نہ متکلم کے بیان کی کوئی امید ہو، اس لیے کہ وحی کا سلسلہ اب رہا نہیں۔

---

(۱) لہٰذا "مشترک" اور "مشکل" قریب قریب ایک ہی ہوئے۔

**مثال**: حروف مقطعات۔

**تشریح**: حروف مقطعات ایسے حروف جن کی تقطیع کر کے الگ الگ پورا حرف پڑھتے ہیں، جیسے حم، الم، الر، وغیرہ ان الفاظ کے معنی مرادی بالکل پوشیدہ ہیں، نہ قرینۂ خارجیہ نہ متکلم اس کی وضاحت کرسکتے ہیں۔

**حکم**: اس کا حکم یہ ہے کہ جو بھی مراد ہو اس کو "حق" اور "صحیح" جاننا، اور معاملہ خدا کے حوالے کردینا۔

چوتھی بحث:

# الفاظ کی معنی پر دلالت کی حیثیت کے بیان میں

الفاظ، معانی بتلاتے ہیں، یہی بتلانا "دلالت" کہلاتا ہے، اس حیثیت سے الفاظ کی کل چار قسمیں ہیں:

۱۔عبارت النص ۲۔اشارت النص ۳۔دلالت النص ۴۔اقتضاء النص

**کیوں چار ھی قسمیں؟**:

اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام یا الفاظ اپنے معنی وحکم کو اپنے ہی الفاظ سے بتلائیں گے یا نہیں، اگر بتلاتے ہیں تو کلام اگر اسی معنی وحکم کے لیے لایا بھی گیا ہے تو اس کا نام "عبارت النص" ہے، اگر کلام اس معنی وحکم کے لیے نہیں لایا گیا ہے تو اس کا نام "اشارت النص" ہے، اور اگر معنی وحکم لغت سے سمجھ میں آتے ہیں تو "دلالت النص" ہے اور اگر شریعت یا عقل سے سمجھ میں آتے ہیں تو "اقتضاء النص" ہے۔اسی کو "دلیلِ حصر" بھی کہتے ہیں۔

# عبارت النص

**تعریف**: عبارت النص ایسا کلام ہے جو ایسے معنی بتلائے جس کے لیے سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت نہ ہو اور کلام کو اسی معنی کے لیے لایا گیا ہو۔

**مثال**: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔

**تشریح**: یہ قرآن شریف کی آیت ہے، ترجمہ یہ ہے:

"تم اپنے پسند کی عورتوں سے شادی کرو، دو دو، اور تین تین، اور چار چار"۔

اس آیت میں دو بات معلوم ہوئی:

۱۔ نکاح جائز ہے۔ ۲۔ منکوحہ کی تعداد متعین ہے کہ ۴ سے زیادہ نہیں۔

انہیں دونوں باتوں کے لیے آیت کو لایا گیا، لہٰذا آیت "عبارت النص" کہلائے گی۔

# اشارت النص

**تعریف**: اشارۃ النص، کلام کا وہ معنی ہے جو التزامی طور پر سمجھا جائے۔ یعنی ایسا کلام جو ایسے معنی بتلائے جس کے لیے کلام کو بولا نہ گیا ہو، اور الفاظ سے جلدی وہ معنی ذہن میں بھی نہیں آتے بلکہ کچھ سوچیں پھر آتے ہیں۔

**مثال**: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ۔
(الحشر)

**وضاحت**: اس ارشادِ باری میں بتلایا گیا ہے کہ مالِ غنیمت ان مہاجرین فقرا کا حق ہے جنہیں ان کے گھروں سے باہر نکال دیا گیا ہے، اسی غنیمت کے حقدار بتانے کے لیے قرآن

کریم کی اس نص/آیت کو استعمال کیا گیا ہے، لہٰذا یہ آیت اس معنی کے لیے عبارت النص کہلائے گی۔

لیکن "مہاجرین" کو "فُقَراء" بھی کہا گیا ہے، جس سے مہاجرین کا "فقر" بھی معلوم ہوگیا، تو فقرا کے لفظ سے مہاجرین کے فقر کی طرف اشارہ کرنا اور ان کا فقر ثابت کرنا "اشارۃ النص" کہلائے گا(۱)۔

# دلالت النص

**تعریف**: ایسا کلام "دلالت النص" کہلاتا ہے جو ایسے معنی بتائے جو الفاظ سے نہ ثابت ہوں بلکہ ایک ایسی علت سے ثابت ہوں جسے ہر زبان والا جان جائے۔

**مثال**: قرآن کی آیت "و لا تقل لهما أفّ"۔

**وضاحت**: اللہ نے "اف" کہنے سے منع کیا، تو اف کہنا حرام ہوا، عبارت ہی میں یہ حکم موجود ہے، لہٰذا عبارت النص سے اف کا حرام ہونا پتہ چلا، اور حرام کی علت "ایذا" اور "تکلیف دینا" ہے لہٰذا والدین کو مارنا بھی حرام ثابت ہوا، ایذا اور تکلیف وجہ ہے، یہ علت ہے جو مارنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا دلالت النص سے مارنے کی حرمت معلوم ہوئی۔

---

(۱) جب خدا تعالیٰ نے مہاجرین کو "فقراء" کہہ دیا تو اس سے معلوم ہوگیا کہ ان کی مکہ والی جائداد تمام ملکیت، گھر بار، کھیت کھلیان سب چیزیں ان کی ملکیت سے نکل رہیں، وہاں لوگوں کی ملکیت ہوگئیں جہاں پر قبضے کے بعد کوئی مکان وغیرہ ان اگر اس نے بعض شخص سے خریدے تو بیع و شراء بھی درست ہوگی، ملکیت مشتری کی بھی ثابت ہوگی اور مدینہ کے مہاجر کا اس خریدنے والے سے اپنے مال کا مطالبہ بیچ نہ ہوگا، کیوں کہ اس مہاجر کی ملکیت "اشارۃ النص قرآنی" سے ختم ہوچکی ہے۔ (مستفاد "نور الانوار"، "کشف الاسرار"، "اصول الشاشی"، "اصول سرخسی")۔

# اقتضاء النص

**تعریف** :یہ ایک ایسا کلام ہے جو ایسے معنی کو بتلائے جو نص تقاضا کرے، یہ تقاضا عقلی ہو یا شرعی۔ نیز اس تقاضے کو پوشیدہ ماننے سے ہی نص (آیت/حدیث) کا معنی صحیح ہوگا۔

**مثال**: قرآن کی آیت: "واسئل القریۃ"۔

**وضاحت** :اس قرآنی عبارت کا مطلب اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ "قریۃ" سے پہلے "اہل" پوشیدہ نہ مانیں، گویا کہ آیت کے الفاظ اپنے صحیح معنی دینے میں اس کا تقاضا کرتے ہیں کہ "اہل" کو پوشیدہ مانو۔ تو یہ اقتضاء النص بن گیا۔

**احکام** :ان مذکورہ چاروں دلالتوں (یعنی عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالت النص اور اقتضاء النص) کا حکم "قطعی اور یقینی" ہے۔

**دلیل**: حکم کے قطعی اور یقینی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ حکم نص یعنی عبارت النص کے ظاہر سے ثابت ہوتا ہے، قیاس ورائے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

البتہ قطعیت اور یقین کی قوت میں فرق ہے۔

عبارت النص میں یقین کا پہلو سب سے زیادہ ہے، پھر اشارۃ النص میں، پھر دلالت النص میں، پھر اقتضاء النص۔

**نوٹ**: طالب فن کے لیے ضروری ہے کہ ان مذکورہ دلالتوں پر اکتفا کرے، اس سے اگر تجاوز کرے گا تو احناف کے نزدیک اس کو "وجوہ فاسدہ" (غیر معتبر دلائل) کہیں گے۔

**خلاصہ** :جب کوئی کسی آیت کا صحیح مفہوم جاننا چاہے تو اس کو چاہیے کہ لفظ میں پہلے غور کرے کہ یہ لفظ وضع کے اعتبار سے خاص ہے یا عام یا مشترک۔

پھر استعمال کے اعتبار سے غور کرے کہ حقیقت ہے یا مجاز، پھر وضاحت و پوشیدگی کے اعتبار سے دیکھے کہ ظاہر، نص، مفسر، محکم ہے، یا خفی، مشکل، مجمل، متشابہ، پھر مرادی معنی کی تعیین کے لیے دیکھے کہ عبارت النص ہے یا اشارۃ النص، دلالت النص ہے یا اقتضاء النص۔

باب سوم:

# سنت کی بحث

خاص، عام، مشترک، مؤول، حقیقت، مجاز، ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی، مشکل، مجمل، متشابہ، عبارت النص، اشارۃ النص، دلالت النص اور اقتضاء النص: یہ تمام بحثیں سنت میں بھی جاری ہوں گی۔

سنت میں ایک بحث سند کی آتی ہے، جو کتاب اللہ میں نہیں آتی، کیوں کہ قرآن جو اللہ کی کتاب ہے، وہ مکمل متواتر ہے، اس میں سند کے بحث کی چنداں (۱) ضرورت نہیں۔

**سنت کی تعریف** :سنت وہ حکم ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قولی، یا فعلی، یا تقریری (۲) طور پر ثابت ہو۔

**سنتِ قولی** :وہ احادیث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق مآب سے نکلیں وہ "سنت قولی" کہلاتی ہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔☆

**سنتِ فعلی** :وہ افعال جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات سے صادر ہوئے وہ سنتِ فعلی کہلاتے ہیں۔ مثلاً: پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی، مناسک حج کی ادائیگی وغیرہ (۳)۔

**سنتِ تقریری**: ایسے کام یا احکام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں انجام پذیر ہوئے ہوں، جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر نہیں فرمائی۔

مذکورہ بالا "تین قسمیں سنت کی" ابتدائی سنت کی تعریف سے با آسانی جانی جا سکتی ہیں۔

---

(۱) چنداں: قطعاً بالکل ۔۔۔۔ (۲) تقریری طور پر ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کیا گیا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہ کی ہو۔ نکیر نہ کرنے کی تین صورتیں ہیں: ۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی۔ ۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موافقت فرمائی۔ ۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحسین فرمائی۔۔۔۔ (۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز اسی طرح ظہر، عصر، مغرب، عشا کی نمازیں، جن اوقات میں جس طرح رکوع و سجود کے ساتھ، قومے اور جلسے کے ساتھ، تشہد یعنی التحیات اور قعدۂ اولیٰ و اخیرہ کے ساتھ ادا کی ہیں، اس سلسلے کی جتنی احادیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، وہ سب "سنتِ فعلی" کے زمرے میں آتی ہیں۔

☆ کل صحیح احادیث ۴۰۰۰ سے ۱۴۰۰۰ ہزار کے درمیان ہیں۔ (محاضرات حدیث، ص ۱۴۰)

روایت کے اعتبار سے "سنت" کی دو قسمیں ہیں:

(۱) متصل السند: اس کا دوسرا نام "مسند" ہے۔

(۲) غیر متصل السند: اس کا دوسرا نام "مرسل" ہے۔

اب متصل السند یعنی "مسند" کی راویوں کی تعداد کے اعتبار سے تین قسمیں بنتی ہیں:

(۱) متواتر (۲) مشہور (۳) واحد (جمع) آحاد

## تعریفات:

**متواتر**: ایسی حدیث/خبر/بات کو کہتے ہیں، جسے اتنے زیادہ لوگ نقل کریں، جن کا شمار مشکل ہو، اور کثرتِ تعداد کی وجہ سے ان کا کذب بیانی پر اتفاق و سمجھوتہ کرنا ممکن نہ ہو، یہی حالت زمانۂ نبوت سے اب تک ہو۔

**مثال**: ☆ قرآن کریم۔ ☆ پنج وقتہ نمازیں۔ ☆ ہفتے کے سات دن۔

**وضاحت**: قرآنِ کریم آسمانی خبر ہے، وحی ربانی ہے، جبرئیل علیہ السلام کی زبانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتاری گئی کتاب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ نبوت سے اب تک بے شمار لوگ جو سچے ہیں اس کو نقل و حفظ کرتے آرہے ہیں، لہٰذا قرآنِ کریم کی خبریں متواتر اور سچی ہیں۔

**متواتر کا حکم**: متواتر خبر کا انکار کرنے والا "کافر" ہے، اس خبر سے "علم ضروری" یا "علم بدیہی" کا فائدہ ہوتا ہے، جیسے آنکھ سے دیکھ کر فائدہ ہوتا ہے۔

**خبر مشہور**: ایسی خبر یا حدیث کو کہتے ہیں جسے ایک یا دو یا اس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نقل کیا ہو، پھر تابعین یا تبع تابعین کے زمانے میں اتنے لوگ اس کو نقل کرنے لگیں جن کا کذب گوئی پر اتفاق محال ہو۔ (تابعین اور تبع تابعین کے بعد کا اعتبار نہیں ہے)

**خبر مشہور کا حکم**: اس خبر سے "علم طمانیت" حاصل ہوتا ہے یعنی ایسا اطمینان حاصل ہوتا ہے جس سے سچائی کا پہلو راجح ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ "خبر مشہور" کا

وجہ "متواتر" سے کم تر ہے اور "خبرِ واحد" سے برتر، لیکن اس پر عمل کرنا بلا اختلاف واجب بمعنی فرض ہے۔

**خبرِ واحد**: ایسی خبر کو "خبرِ واحد" کہتے ہیں، جسے ایک یا ایک سے زیادہ افراد نقل کریں، لیکن اس میں "مشہور خبر" کی شرط نہ پائی جائے۔

**حکم**: "خبرِ واحد" سے "راجح غالب گمان (۱)" کا فائدہ ہوتا ہے، اور اس خبر پر عمل کرنا ضروری ہے، لیکن اس وقت ضروری ہے جب کہ اس میں چند باتیں پائی جائیں، مثلاً:

☆ راوی بالغ ہو۔ ☆ راوی مسلمان ہو۔

☆ غفلت پر حفظ غالب ہو۔ ☆ راوی عادل ہو۔

اب "غیر متصل السند" یعنی "مرسل" کا بیان آیا چاہتا ہے۔

**مرسل کی تعریف**: حدیثِ مرسل ایسی حدیث ہے جس میں راوی اپنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچ کے راویوں کو بیان نہ کرے۔

**حکم**: اگر صحابی حدیث مرسل بیان کرے تو بالاجماع ایسی حدیث مرسل قبول کی جائے گی۔ اسی طرح احناف رحمہم اللہ کے نزدیک کوئی تابعی یا تبع تابعی حدیثِ مرسل بیان کرے تو اس کی بیان کردہ حدیث مقبول ہوگی۔☆

**مثال**: مرسل کی مثال یہ ہے کہ تابعی یا تبع تابعی یوں کہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

**وجہ**: حدیثِ مرسل جسے تابعی یا تبع تابعی نے نقل کیا ہے۔ اس کے مقبول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ حضرات قابلِ اعتماد یعنی ثقہ ہیں تو یہ غلط بات نہیں بیان کریں گے، کوئی ان پر غلط الزام یا بدگمانی نہیں کرسکتا کہ شاید غفلت کی وجہ سے راوی کا نام یا حالت معلوم نہ رہی ہو۔

---

(۱) خبرِ متواتر سے "علم قطعی بدیہی" کا فائدہ ہوتا ہے۔ خبرِ مشہور سے "علم قطعی نظری" کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ خبرِ واحد سے "علم ظنی" کا۔

☆ "مرسل" قبول کرنے، نہ کرنے میں علماء کے ۱۰ اقوال ہیں: ۱) ہر مرسل مطلقاً حجت ہے ۲) مطلقاً حجت نہیں۔ ۳) قرونِ ثلاثہ کی مرسل حجت ہے۔ ۴) عادل کی مرسل حجت ہے ۵) سعید بن مسیب کی مرسل حجت ہے ۶) دوسری سند بھی ہو تو حجت ہے ۷) اس باب میں صرف مرسل ہو تو حجت ہے ۸) ہر مرسل مسند سے قوی تر ہے ۹) احتیاطاً حجت ہے ۱۰) صحابی کی مرسل حجت ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۶۷)

باب چہارم:

# "اجماع"

**لغوی تعریف** :اجماع کی لغوی تعریف ہے، اتفاق کسی مسئلے پر ایک آواز، ہم آہنگی وغیرہ۔

**اصطلاحی تعریف** :امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے جملہ مجتہدین کا حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی بھی زمانے میں کسی حکم شرعی پر اتفاق کر لینا "اجماع" کہلاتا ہے۔

**اجماع کی دو قسمیں ہیں**:(۱) اجماع قولی (۲) اجماع سکوتی۔

**اجماعِ قولی** : مجتہدین میں سے ہر فرد اس بات کی صراحت کرے کہ اس رائے کو ہم قبول کرتے ہیں، تو اس کو اجماع قولی کہتے ہیں۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع "اجماع قولی" تھا، کیوں کہ ہر ایک نے خلافتِ صدیق کے قبول کرنے کی صراحت کی تھی۔

**حکم** : اجماع قولی بالاتفاق حجت شرعیہ ہے(۱)۔

**اجماعِ سکوتی** :اجماع سکوتی یہ ہے کہ کسی نئے مسئلے میں بعض علمائے مجتہدین کی ایک رائے ہو گئی پھر اس رائے کی شہرت اس زمانے کے دوسرے مجتہدین تک پہونچی تو انہوں نے اس رائے کے خلاف ایک خاص وقت تک کچھ نہ کہا۔

**حکم** : احناف رحمہم اللہ کے نزدیک یہ اجماع مقبول ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقبول نہیں(۲)۔

---

(۱) مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی نے اپنی کتاب "فقہ و تصوف" میں ص ۷۵ پر لکھا ہے: بنیادی طور اجماع کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ قولی، ۲۔ عملی، ۳۔ سکوتی۔ اجماع عملی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اجماع عملی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات کسی زمانے میں کوئی عمل کریں، جب کوئی عمل تمام اہل اجماع (جائز یا مستحب یا مسنون سمجھ کر) کرنے لگیں تو اس عمل کو بالاجماع جائز سمجھا جائے گا۔ اجماع کی اس قسم سے اس عمل کا صرف مباح یا مستحب یا مسنون ہونا ثابت ہوگا، واجب ہونا اس قسم سے ثابت نہیں ہو سکتا، الا یہ کہ وہاں کوئی قرینہ ایسا پایا جائے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہو۔ ظہر سے پہلے چار رکعتیں جو سنت مؤکدہ ہیں ان کا سنت مؤکدہ ہونا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع عملی سے ثابت ہوا ہے۔ (تسہیل الاصول: ص ۱۴۸، ۱۶۳)------(۲) اجماع سکوتی کے حجت ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، امام احمد اور اکثر حنفیہ اور بعض خوارج کے نزدیک یہ حجت قطعیہ ہے، اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک حجت ہی نہیں، اور بعض فقہا نے اسے "حجت ظنیہ" قرار دیا ہے۔ (التقریر ج ۳ ص ۱۰۱، ۱۰۲، بحوالہ: فقہ و تصوف: ص ۷۹)

باب پنجم:

# قیاس واستحسان

قارئین! آپ پچھلے اسباق میں پڑھ چکے ہیں کہ شرعی دلیلیں دو طرح کی ہوتی ہیں:

۱۔نصوص ۲۔غیر نصوص

شریعت اسلامیہ کے احکام انہیں دو طرح کی دلیلوں سے معلوم کیے جاتے ہیں، ''غیر نص'' سے شرعی احکام معلوم کرنا ''قیاس'' کہلاتا ہے۔

## ''قیاس''

**لغوی تعریف:** قیاس کی لغوی تعریف، اندازہ لگانا اور برابری کرنا۔

**مثال:** قِسْتُ النَّعْلَ بِالنَّعْلِ میں نے جوتے کے ایک پیئر کو دوسرے پیئر (۱) سے اندازہ لگایا۔ دوسری مثال ہے: فُلَانٌ لَا يُقَاسُ بِفُلَانٍ: فلاں کو فلاں کے برابر نہیں کیا جا سکتا۔

**اصلاحی تعریف:** قیاس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ فرع کو اصل کے برابر کردینا حکم اور علت میں۔

**مثال:** شراب کا حرام ہونا، اور نبیذ کا حرام ہونا۔

**توضیح:** شراب ''اصل'' ہے، نبیذ ''فرع'' ہے، نبیذ کو شراب کے برابر کردیا، اور حکم حرمت کا دونوں کو دے دیا، جس میں ایک ہی علت ہے یعنی سکر (مدہوش ہونا)۔

### قیاس کے ارکان:

مذکورہ بالا قیاس کی تعریف کی روشنی میں قیاس کے چار ارکان ہوتے ہیں:

۱۔اصل ۲۔فرع ۳۔حکم ۴۔علت

**اصل:** ''اصل'' کو ''مقیس علیہ'' بھی کہتے ہیں، یعنی حکم کا محل جس پر فرع کو قیاس کیا جاتا ہے۔

(۱) Pair پیئر دو جوتوں میں سے ہر ایک کو ''Pair'' (پیئر) کہتے ہیں۔ (مؤلف)

**فرع:** اس کو "مقیس" بھی کہتے ہیں، یعنی جس کو اصل پر قیاس کر کے ایک حکم (اصل کا حکم) دیتے ہیں۔

**حکم:** جو قرآن، سنت یا اجماع امت سے ثابت ہو، اس کو "حکم" کہتے ہیں۔

**علت:** اصل اور فرع دونوں میں پایا جانے والا وصف "علت" کہلاتا ہے۔ اسی وصف کی بنیاد پر فرع مقیس علیہ کی نظیر بھی بن جاتی ہے۔

## قیاس کے ارکان کی شرطیں

**اصل کی شرط:** اصل کی شرط یہ ہے کہ کتاب وسنت یا اجماع کے ذریعہ "منصوص" ہو۔

**فرع کی شرط:** فرع کی شرط یہ ہے کہ وہ "غیر منصوص" ہو۔

**حکم کی شرط:** حکم کی تین شرطیں ہیں، اگر یہ شرطیں پائی جائیں گی تو حکم کو اصل سے فرع میں منتقل کر سکیں گے، ورنہ نہیں۔

**پہلی شرط:** حکم کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ منسوخ نہ ہو، بل کہ ثابت اور معمول بہ ہو۔

**مثال:** لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ۔ (الآیۃ/پ ۱۸)۔ غلام اور بچوں کو تین مخصوص اوقات کے بعد گھر میں آنے جانے کی اجازت کا حکم ہے، یہ حکم باقی ہے، منسوخ نہیں ہے، تو اس کو فرع کی طرف لے جا سکتے ہیں۔

**دوسری شرط:** اصل کا حکم، کسی نص کے سبب مخصوص نہ ہو۔

**مثال:** حضرت خزیمہؓ کی گواہی، نبی طاہر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہؓ کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا ہے، تو اس حکم کو نبی اطہر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابیؓ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے، لہٰذا اس حکم پر کسی اور آدمی کی گواہی کو قیاس نہیں کر سکتے۔

**تیسری شرط:** تیسری شرط یہ ہے کہ اصل کی علت "غیر معقول" نہ ہو، جیسے نمازوں میں رکعت کی تعداد، یا قیاس کے مشہور طریقے سے الگ نہ ہو، جیسے بھول کر روزے میں کھا لینا اور روزے کا باقی رہنا۔

## علت کی شرطیں

**علت کی چار شرطیں ہیں:**

(۱) وصف ظاہر ہو (۲) منضبط ہو (۳) مناسب ہو (۴) معتبر ہو

**وصفِ ظاہر:** ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حواسِ خمسہ ظاہرہ(۱) سے وہ وصف معلوم ہوسکے، اس لیے کہ اگر وصف حواسِ خمسہ سے معلوم نہیں ہو پا رہا ہے تو اس پر حکم کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ مثلاً بلوغ کے ثابت ہونے کا حکم ہے، اس کی بنیاد "عمر" پر رکھیں گے، اس لیے کہ یہ وصف ظاہر ہے، کمال عقل پر اس کی بنیاد نہیں رکھیں گے، اس لیے یہ وصفِ خفی ہے۔

**منضبط ہو:** اس کا مطلب یہ کہ لوگوں یا ان کے حالات کی وجہ سے نہ بدلے۔

**مناسب ہو:** اس وصف سے حکم نکالنے میں شریعت کی حکمت بھی سمجھ میں آئے۔

**معتبر ہو:** شریعت نے اس وصف کو علت مانا ہو۔

## "استحسان"

**استحسان کی تعریف:** کسی مسئلے میں اس جیسے مسئلوں سے ہٹ کر حکم لگانا استحسان کہلاتا ہے، جب کہ ہٹنے کی دلیل قوی تر ہو۔

**قوی تر دلیل:** جس کی بنیاد پر مسئلے کی نظیروں سے ہٹا جاتا ہے، ۴ طرح کی ہوتی ہے:

۱۔ اثر/حدیث ۲۔ ضرورت ۳۔ اجماع ۴۔ قیاس خفی

ان مذکورہ چاروں دلیلوں میں سے پہلے کی تین دلیلیں (یعنی اثر، ضرورت، اجماع) متعدی نہیں ہوں گی البتہ قیاس خفی دوسرے حکم کی طرف متعدی ہوگا۔

---

(۱) اللمس (چھونا)، الشم (سونگھنا)، الذوق (چکھنا)، النظر (دیکھنا)

# اثر، اجماع، ضرورت اور قیاس خفی کی مثالیں

اب یہاں اس استحسان کی مثالیں مندرج ہیں جو دلیل قوی: اثر اجماع ضرورت اور قیاس خفی سے ثابت ہے۔

**استحسان بالاثر**: اثر(۱) کی وجہ سے قیاس چھوڑ کر استحسان پر عمل کرنے کی مثال "بیع سلم" (۲) ہے، قیاس چاہتا ہے بیع سلم جائز نہ ہو کیوں کہ بیع سلم میں مبیع معدوم ہوتی ہے اور معدوم (غیر موجود) کی بیع جائز نہیں، لیکن قیاس سے اوپر اثر ہے۔ لہٰذا اثر کی وجہ سے بیع سلم جائز ہوگی۔

**استحسان بالاجماع**: استحسان بالاجماع کی مثال بیع استصناع ہے، کیوں کہ اس میں معدوم کی بیع ہوتی ہے جو ناجائز ہے، قیاس کا یہی تقاضا ہے لیکن اس بیع کے جواز پر اجماع ہو چکا ہے۔

**استحسان بالضرورت**: استحسان بالضرورت کی مثال "برتنوں کا پاک کرنا" ہے، قیاس کا تقاضا ہے کہ برتن ناپاک ہو جانے کے بعد پاک نہ ہو، کیوں کہ برتن کو نچوڑنا ممکن نہیں برتن ناپاک ہوتے رہتے ہیں، ضرورت کا تقاضا ہے کہ دھو کر پاک ہو جائیں، یہی استحسان بالضرورت ہے۔

**استحسان بالقیاس الخفی**: اس کی مثال چیر پھاڑ کھانے والے پرندوں کے جھوٹے کی طہارت ہے۔ قیاس کا تقاضا تھا کہ ان پرندوں کا جھوٹا ناپاک ہوتا۔ کیوں کہ ان کا گوشت حرام ہے، اور تھوک گوشت ہی سے بنتا ہے، لیکن اس کو قیاس خفی کی بنیاد پر چھوڑ دیا گیا۔

---

(۱) صحابی کے قول کو "اثر" کہتے ہیں۔ (۲) بیع سلم: لغوی معنی ادھار کی بیع جس میں ثمن پہلے ادا کیا جائے، اصطلاحی تعریف: اخذ عاجل بآجل۔ (حاشیہ قدوری: ۸۳)

باب ششم:

# مشروع احکام اور ان کے متعلقات

یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے احکام پوری کائنات پر نافذ ہیں، وہی حاکم مطلق، وہی قادر مطلق اور وہی خالقِ ارض وسما ہے۔

**حکم**: بندوں کے افعال سے متعلق اللہ کا خطاب (حکم) کہلاتا ہے، جس کی تین شکلیں ہیں:

(۱) اقتضائی (۲) تخییری (۳) وضعی

**اقتضائی** : اقتضا کے لغوی معنی چاہنا، طلب کرنا۔ اور یہاں پر مکلف سے فعل کا طلب کرنا مراد ہے۔ جیسے: ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کرو! (خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً)۔ اسی طرح کسی فعل سے رک جانے کی طلب مراد ہے۔ جیسے: زنا کے قریب بھی نہ جاؤ! (وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا)۔

**تخییری**: تخییر کے معنی، اختیار دینا، یہاں مراد ہے کہ اللہ نے بندے کو اختیار دیا کہ فلاں عمل کرو یا نہ کرو۔ مثلاً وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا۔ جب تم احرام کھول کر حلال ہو جاؤ تو شکار کرو (یعنی شکار کرو یا نہ کرو، تم کو اس میں اختیار ہے۔

**وضعی** : خدا نے دو امروں کو ایسا مربوط کر دیا ہو کہ ایک امر دوسرے کے لیے شرط ہو تو اسے "وضعی حکم" کہتے ہیں۔ مثلاً وضو کے ضروری ہونے کا حکم نماز کی صحت کے لیے، دو امروں کو یہاں پر جوڑ دیا گیا ہے اور وضو نماز کے لیے شرط ہے۔

اللہ تعالیٰ کا خطاب یعنی اللہ کے احکامات جاننے کے صرف چار راستے ہیں، ان کو "ادلۂ اربعہ" کہتے ہیں، اور ادلۂ اربعہ یہ ہیں: کتاب اللہ، سنت، اجماع، قیاس۔

اہلِ سنت والجماعت کا مسلک یہی ہے کہ احکاماتِ خداوندی معلوم کرنے کے ہم

راستے ہیں، لیکن معتزلہ کی جماعت (جس کا بانی واصل بن عطاء ہے) کا کہنا ہے کہ "عقل" بھی حکم خداوندی جاننے کا ایک راستہ ہے، اس طرح معتزلہ کے نزدیک چار کے بجائے پانچ راستوں سے حکم خداوندی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

**حکم شرعی** : علمائے اصول فقہ کے نزدیک حکم شرعی کی دو قسمیں ہیں:

۱۔حکم تکلیفی ۲۔حکم وضعی

**حکم تکلیفی** :ایسے حکم کو کہتے ہیں جس میں کسی عمل کے کرنے یا نہ کرنے کو طلب کیا گیا ہو، یا کرنے یا نہ کرنے میں اختیار دیا گیا ہو۔

حکم تکلیفی کی سات قسمیں ہیں:

۱۔فرض ۲۔واجب ۳۔مستحب ۴۔حرام

۵۔مکروہ تحریمی ۶۔مکروہ تنزیہی ۷۔مباح

**فرض** :ایسے حکم الٰہی کو کہتے ہیں جسے شارع/شریعت نے حتمی طور پر ادا کرنے کو لازم قرار دیا ہو، اور اس میں ایسی قطعی دلیل ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔

**فرض کا حکم** :فرض پر عمل کرنا اور اس پر پختہ اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ فرض کا منکر کافر ہے، اور بلا عذر چھوڑنے والا فاسق۔

مثال: نماز فرض ہے۔

روزہ فرض ہے۔

زکاۃ فرض ہے۔

وغیرہ وغیرہ۔

**واجب**: واجب ایسا حکم ہے جو دلیل ظنی سے شریعت میں مطلوب ہو۔

**حکم** :اس پر عمل کرنا لازم ہے، بلا عذر اس کے تارک کو فاسق کہتے ہیں، البتہ اس کے منکر کو کافر نہیں کہیں گے۔

**مثال**: واجب کی مثال ''صدقۂ فطر'' ہے، یہ دلیلِ ظنی یعنی خبرِ واحد سے ثابت ہے۔

**مستحب**: شریعت کا وہ حکم جسے غیر ضروری طور پر کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو اور اس پر امت کا ایک بڑا طبقہ عمل کرتا نہ آیا ہو۔

**نفل**: اسی کو نفل بھی کہتے ہیں۔

**سنت**: شریعت کا ایسا حکم جو شریعت میں غیر ضروری طور پر مطلوب ہو، اور امت کا ایک بڑا طبقہ اس پر عمل بھی کرتا آیا ہو۔

**سنت کا حکم**: اس پر عمل کرنے والا ثواب پاتا ہے اور بلا عذر چھوڑنے والا ملامت کا مستحق ہوتا ہے۔

**نفل ومستحب کا حکم**: اس پر عمل کرنے والا ثواب کا حقدار ہوتا ہے اور اس کو چھوڑنے والا ملامت کا مستحق نہیں۔ جیسے قرآن شریف میں حکم ہے کہ جب آپس میں معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔(۱)

**حرام**: ایسا حکم حرام کہلاتا ہے، جس سے شریعت نے لازمی طور پر رکنے کے لیے کہا ہو اور وہ حکم ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں قطعی کوئی شبہ نہیں ہے۔

**مثال**: لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا۔ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ (قرآن)

اس آیت سے ''زنا'' کے حرام ہونے کا حکم نکلا، یہ حکم قرآن کریم کی اسی آیت سے ثابت ہے جس میں قطعی کوئی شبہ نہیں۔

**حرام کا حکم**: اس عمل سے رکنا لازم ہے، اور اس پر اعتقاد فرض ہے، حرام کا منکر کافر ہے، اور اس کا تارک فاسق، جب کہ بلا عذر چھوڑے۔

**وضاحت**: غیر کا مال کھانا حرام ہے، اب اس مال کے کھانے سے آدمی کو رکنا لازم ہے، اور اس کو حرام سمجھنا (اعتقاد) فرض ہے، اگر کوئی حرام نہ سمجھے، انکار کرے تو وہ کافر ہے، اور

---

(۱) اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ۔ (پ۳/بقرہ)

حرام پر عمل کرنے والا بغیر کسی عذر شرعی کے فاسق کہلائے گا۔

**مکروہ تحریمی** :جس عمل سے شریعت نے "دلیل ظنی" سے حتمی طور پر کنے کو کہا ہو وہ "مکروہ تحریمی" کہلاتا ہے۔

**مکروہ تحریمی کا حکم**:اس پر عمل کرنے سے لازمی طور پر کنا، بلا عذر اس کو کر لینے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے، البتہ اس پر اعتقاد ضروری نہیں ہے، لہذا اس کی حرمت کے منکر کو کافر نہیں کہیں گے۔

**مثال** : مردوں کے لیے ریشم کا لباس پہننا، یہ مکروہِ تحریمی ہے، بلا عذر ریشمی لباس پہننے والا فاسق ہو جائے گا، البتہ اس کا منکر کافر نہ ہوگا۔

**مکروہ تنزیھی** :جس عمل سے شریعت نے غیر حتمی طور پر روکا ہو، وہ "مکروہ تنزیہی" کہلاتا ہے۔

**حکم** :مکروہ تنزیہی جو بھی عمل ہو اس کا ترک اولی اور بہتر ہے۔

**مثال**:سجدہ گاہ سے کنکریاں یا گرد وغبار ایک مرتبہ ہٹانا۔

**مباح** :جس فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا شریعت نے اختیار دیا ہو اس کو "مباح" کہتے ہیں۔

**مثال**:قرآن کی آیت "وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا " (اور جب تم احرام کھول کر حلال ہو جاؤ تو شکار کرو)۔مباح کی مثال ہے۔اس آیت میں شکار کا حکم ہے، جو اباحت کے لیے ہے، یعنی اختیار ہے کہ شکار کرو یا نہ کرو۔

**مباح کا حکم**:یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والا ثواب کا حقدار نہیں ہوتا، اسی طرح عمل نہ کرنے والا عقاب/سزا کا بھی مستحق نہیں ہوتا۔

# عزیمت اور رخصت

بندہ جن احکام کا مکلف ہے، ان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ عزیمت ۲۔ رخصت

**عزیمت**: وہ احکام جو بندے کے عذروں پر موقوف نہ ہوں اور ابتداءً مشروع ہوں وہ "عزیمت" کہلاتے ہیں۔

**مثال**: قرآن کریم میں ہے: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ تو جو لوگ تم میں سے (رمضان کے) مہینے کو پالیں تو وہ اس میں روزے رکھیں۔

**وضاحت**: اس آیت میں روزہ کا حکم ہے، یہ عذر پر موقوف نہیں ہے، ابتداء مشروع ہے، لہٰذا یہ حکم "عزیمت" ہے۔

**رخصت**: جو عمل حکم اصلی سے کسی عذر کی بنا پر بدل گیا ہو وہ "رخصت" کہلاتا ہے۔

**مثال**: مجبوری اور زبردستی کے موقع پر کلمۂ کفر بولنا، جب کہ دل میں ایمان موجود ہو اور اطمینان قلب ہو۔

**رخصت کی اقسام**: بندوں کے عذر بہت ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے رخصت کی قسمیں بھی بہت ہو سکتی ہیں، لیکن انجام کے لحاظ سے دو قسمیں بنتی ہیں:

(۱) رخصتِ فعل (۲) رخصتِ تغیرِ صفت

**رخصت فعل**: ایسی رخصت ہے جس میں فعل کی حرمت باقی رہتی ہے، البتہ اس فعل کو کر لینے کی اجازت ہوتی ہے۔

**مثال**: کلمۂ کفر کی زبان سے ادائیگی۔

**وضاحت**: کلمۂ کفر زبان سے ادا کرنا حرام ہے، کسی کے قتل کی دھمکی کے وقت کلمۂ کفر

زبان سے ادا کرنے کی اجازت ہوتی ہے، البتہ کلمہ کفر ادا کرنے کی حرمت باقی رہتی ہے۔
جیسے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافروں نے کلمہ کفر بکنے پر مجبور کر دیا تھا، تو انہوں نے مجبوراً ایسا کیا، لیکن ان کے والد یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا تو انہوں نے نہیں کہا اور شہادت کو ترجیح دی۔

تو عمارؓ نے اجازت پر / رخصت پر عمل کیا اور والد نے عزیمت پر عمل کیا کیوں کہ حرمتِ فعل باقی تھی۔

**رخصت تغییر صفت**: ایسی رخصت ہے جس میں فعل کی حرمت آدمی کے لیے ختم ہو جاتی ہے اور حرام شی اس کے حق میں مباح ہو جاتی ہے۔

**مثال**: بے تحاشا بھوک کہ آدمی کی جان نکل جائے۔ اس حالت میں آدمی کے لیے "خنزیر کا گوشت" اور "مردار"۔

**وضاحت**: خنزیر کا گوشت اور مردار حرام ہے، اب اگر شدید بھوکا شخص کہ جان نکل جانے کا خطرہ ہو، اور اس کے پاس اور کوئی کھانا موجود نہ ہو تو خنزیر کا گوشت اور مردار اس کے حق میں حلال ہو جاتا ہے، پہلے اس گوشت میں حرام ہونے کی صفت تھی اور وہ صفت ہی بدل گئی، اب گوشت میں حلال ہونے کی صفت آ گئی۔ لہٰذا اب اس شخص کے لیے مردار کا گوشت کھا کر جان بچانا ضروری ہے، اگر گوشت نہیں کھایا اور مر گیا تو خود کو مارنے والا اور خود کشی کرنے والا کہلائے گا اور گنہ گار ہوگا۔

# حکم وضعی

چند صفحات پہلے آ چکا ہے کہ "حکم شرعی" کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ حکم تکلیفی ۲۔ حکم وضعی

حکم تکلیفی کی تعریف اور اس کی "سات قسمیں" پھر حکم تکلیفی کی دو قسم رخصت اور عزیمت، بیان ہو چکیں۔ اب "حکم وضعی" کا بیان آ رہا ہے۔

**حکم وضعی** : حکم وضعی وہ ہے جو کسی شئی کو دوسری شئی کے لیے سبب، یا شرط، یا مانع بنانے کا تقاضا کرے۔ لہٰذا اس تعریف کی روشنی میں تین احکام معلوم ہوئے:

۱۔ سبب ۲۔ شرط ۳۔ مانع

**سبب** : سبب ایک ایسا منضبط امر ظاہر ہے کہ جس کو شریعت نے کسی حکم شرعی کے لیے علامت بنایا ہے، وہی حکم شرعی "مسبب" کہلاتا ہے۔

سبب کے پائے جانے سے مسبب پایا جاتا ہے، اور اس کے نہ پائے جانے سے مسبب نہیں پایا جاتا۔

**مثال**: سورج کا ڈھلنا، یہ سبب ہے، نماز ظہر کا فرض ہونا: یہ مسبب" ہے اس مسبب کو "حکم شرعی" کہتے ہیں۔

**شرط** : شرط وہ ہے کہ جس کے نہ پائے جانے سے حکم کا نہ پایا جانا ضروری ہو، اور اس کے وجود سے حکم کا وجود لازم نہ ہو۔

**مثال**: وضو، یہ نماز کے لیے شرط ہے۔

**وضاحت** : اس مثال میں نماز ایک "حکم" ہے، اور "وضو" شرط ہے، اگر "وضو" نہ پایا جائے تو نماز نہیں پائی جائے گی، یہ بات قطعی اور ضروری ہے اور "وضو" اگر پایا جائے تو ضروری نہیں

کہ نماز بھی پائی جائے اسے تو پڑھنا پڑے گا تب اس کا وجود ہوگا۔

**مانع :** "مانع" کی تعریف یہ کہ جس کے پائے جانے سے حکم کا نہ پایا جانا ضروری ہو یا اس کی وجہ سے سبب باطل ہو جائے۔

**مثال :** قصاص میں "باپ کا وجود" "مانع" ہے۔ "زکوۃ" کے لازم ہونے میں "دین" "مانع" ہے۔

**وضاحت:** "قصاص" ایک حکم ہے، باپ نے بیٹے کو مار ڈالا تو جان کے بدلے جان یعنی "قصاص" کا حکم آنا چاہیے۔ لیکن یہاں پر "باپ ہونا" "قصاص" کے حکم کے لیے "مانع" ہے، جو قصاص لازم نہ ہونے دے گا۔

"زکاۃ" ایک حکم ہے، جس پر زکاۃ لازم ہے، اس پر کسی کا "دین" بھی ہے، تو یہ "دین" "زکاۃ کے حکم کے لیے" "مانع" ہے، جو زکاۃ لازم نہ ہونے دے گا۔

باب ہفتم:

# محکوم علیہ کا بیان

**محکوم علیہ**: حکم کا تعلق جن سے ہوتا ہے ان میں ایک محکوم علیہ بھی ہے۔
"محکوم علیہ" اس مکلف کو کہتے ہیں جس سے کسی فعل کے کرنے کا خطاب کیا جائے۔
مکلف اسی کو بنایا جائے گا جس میں عقل ورشد پائی جائے۔ عقل کا معاملہ یہ ہے کہ درجہ بدرجہ بڑھتی اور ترقی کرتی رہتی ہے۔ لیکن اس کا درجہ بدرجہ بڑھنا اور ترقی کرنا بہت پوشیدہ چیز ہے، جس کا پتہ لگانا قدرے مشکل ہے، اس لیے کوئی علامت اس کو پہچاننے کے لیے ہونی چاہیے۔ علماء فقہا نے "بلوغ" کو ایک علامت کے طور پر مانا ہے، اور اسی بلوغ کو "پوری عقل" اور "ناقص عقل" کے لیے ایک "حدِ فاصل" بتلایا ہے؛ اسی حد پر جب کوئی مرد یا عورت پہونچ جائے تو "شریعت کے تمام احکام" اس پر نافذ ہوں گے۔
البتہ "بلوغ" سے پہلے اور عقل ورشد نہ ہونے کی حالت میں بھی کچھ "مالی احکام" بندے سے متعلق ہو جاتے ہیں، جس کی بنیاد "انسانیت کا مفہوم" بندے میں پایا جانا ہے؛ مثلاً:
**مثال**: مجنون شخص، بچہ جس میں کچھ شعور بھی آ گیا ہو۔ یہ دونوں اگر کسی کا کوئی مال یا سامان ضائع کر دیں، تو اس کا "تاوان" ان پر، ان کے مال میں لازم آئے گا۔
**انسانیت**: اصول فقہ میں انسانیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان پر اس انسانیت کی وجہ سے "حقوق شرعیہ" کی ذمہ داری اور اہلیت لازم آتی ہے، اور عقل وتمیز کا تقاضا بھی یہی ہے۔
**نوٹ**: انسان اپنی زندگی میں مختلف مراحل سے گزرتا ہے، پیدائش سے لے کر سن بلوغ تک کئی مرحلے آتے ہیں، ایک مرحلہ تو یہ ہوتا ہے کہ شکم مادر میں بچہ کی شکل میں تھا۔ دوسرا مرحلہ دنیا میں آنے کا ہے۔ تیسرا مرحلہ سن شعور کا ہے اور پھر سن بلوغ اور کمال عقل کا۔ یہی سن بلوغ اور کمال عقل احکام شرعیہ کے لزوم کا تقاضا بنتا ہے۔
**تمیز**: اصول فقہ میں تمیز سے مراد الفاظ کے معانی کا سمجھ جانا ہے، جن سے معاملات اور

خرید وفروخت وجود میں آتے ہیں، بچہ خرید وفروخت میں اس حد تک پہونچ جائے کہ قیمت زیادہ نہ دے، یا قیمت دے کر پھر نہ مانگنے لگے۔ فقہاءِ کرام نے "سِنِ تمیز" کی حد "سات سال" بتلائی ہے، اس سے پہلے بچے کی عقل وتمیز کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

"حقوقِ شرعیہ" اہلیت کا تقاضا کرتے ہیں، جس کی لغوی واصطلاحی تعریف حسبِ ذیل ہے:

**اہلیت:** "اہلیت" کے لغوی معنی "صلاحیت" کے آتے ہیں۔

**اصطلاحی تعریف:** "اہلیت" کسی شخص کی ایسی صلاحیت کا نام ہے، جس کی وجہ سے "حقوق" اس کے لیے مشروع ہوں یا اس پر لازم ہوں۔

یعنی "اہلیت" نام ہے ایسی صلاحیت کا جو شرعی احکام کے وجوب کے لیے بندے میں پائی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیے ہیں ان کے لازم ہونے کے لیے بندوں میں "اہلیت" کا ہونا ضروری ہے۔

اس "اہلیت" کی دو قسمیں ہیں: ۱۔اہلیت وجوب ۲۔اہلیت ادا

**اہلیت وجوب:** مکلّف میں ایسی صلاحیت کا وجود جس سے بندے پر احکام شرعیہ واجب ہو جائیں اس صلاحیت کو اہلیت وجوب کہتے ہیں۔

**اہلیت ادا:** بندے میں ایسی قدرت ہو جس کی بنیاد پر احکام شرعیہ ادا کرنے۔

اہلیت ادا کی قسمیں ہیں: ۱۔اہلیت قاصرہ ۲۔اہلیت کاملہ

**اہلیت قاصرہ:** ناقص قدرت اور ناقص عقل اور ناقص جسم کے ساتھ احکام خداوندی ادا کرنے کی صلاحیت کو اہلیت قاصرہ کہتے ہیں۔

**مثال:** عاقل بچہ: اس کی بدن، اس کی قدرت اور اس کی عقل، ابھی سب ناقص ہیں۔

**اہلیت کاملہ:** کامل قدرت، کامل عقل اور کامل جسم کے ساتھ احکام خداوندی ادا کرنے کی صلاحیت کو اہلیت کاملہ کہتے ہیں۔

**مثال:** عاقل بالغ مرد: اس کا بدن، اس کی اس قدرت اور عقل بھی کامل ہیں۔

# اہلیت پر عارض امور

اہلیت پر "عارض امور" کی دو قسمیں ہیں:

(۱) سماوی (۲) کسبی

**سماوی** : سماوی عارض یہ ہیں: صغر، جنون، عتہ، نسیان، نوم، اغماء، مرض، رق، حیض، نفاس، موت۔

**کسبی** : کسبی عارض اپنی طرف سے ہوں تو یہ ہیں، جہل، سکر، ہزل، سفہ، خطاء، سفر اور غیر کی طرف سے ہوں تو "اکراہ" ہے۔ (کشف الاسرار ج ۴/ص ۴۳۶)

ان تمام کی تفصیلات کے لئے مطولات کی طرف رجوع کریں۔

الحمد للہ یہ کام ۲۱ ربیع الآخر ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۸/اپریل ۲۰۰۹ء سنیچر کے دن مکمل ہوا۔

فللہ المن و الفضل و الصلاۃ والسلام علی النبی

الصادق الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم۔